سلسلۂ مطبوعات انجمن ترقی اُردو (ہند) نمبر ۱۷۱

علم الاقوام

(جلد دوم)

تصنیف

ڈاکٹر بیرن عمر رالف ایہرن فیلس

ترجمۂ

ڈاکٹر سیّد عابد حسین صاحب

شایع کردہ

انجمن ترقی اُردو (ہند) دہلی

قیمت ۲ عہ/ سنہ ۱۹۴۱ء

(کورونیشن پرنٹنگ ورکس دہلی)

سلسلۂ مطبوعات انجمن ترقیٔ اُردو (ہند) نمبر ۱۷۱

علم الاقوام

(جلد دوم)

تصنیف

ڈاکٹر بیرن عمر رالف ایہرن فیلس

ترجمہ

ڈاکٹر سیّد عابد حسین صاحب

شایع کردہ

انجمن ترقیٔ اُردو (ہند) دہلی

فہرست مضامین علم الاقوام

حصّہ دوم و سوم

نواں باب

مقدّمات آثارِ قدیمہ

ہم اس کتاب کے شروع ہی میں کہہ چکے ہیں کہ غالباً وہ خاص خاص تہذیبیں جن کا ذکر علم الاقوام میں آتا ہے ان ابتدائی تمدنوں سے تعلق رکھتی ہیں جن کا پتہ آثارِ قدیمہ نے چلایا ہے۔ ان تمدنوں کی نوعیت اور جغرافی تقسیم پر پتھر کے اوزاروں، چولھوں، بچے کھچے مٹی کے برتنوں، پتھر پر بنے ہوئے نقش و نگار اور مختلف قسم کے قبرستانوں وغیرہ سے روشنی پڑتی ہے جو ہمارے زمانے میں ظاہر ہوئے ہیں۔ اس زمرے میں صرف وہی مادی چیزیں آتی ہیں جو مرورِ ایام سے برباد نہیں ہونے پائیں مثلاً لکڑی، ہڈی اور چمڑے وغیرہ کے صناعی کے نمونے۔ اس لیے ظاہر ہے کہ بالکل ابتدائی تہذیبوں کے آثارِ باقیہ کی فہرست بہت مختصر ہے۔ شہری ریاستوں کے آثار محفوظ ہیں اس لیے کہ ان میں عمارتیں پتھر یا اینٹ کی ہوتی تھیں زیور اور مجسمے قیمتی پتھروں، دھاتوں یا سنگِ مرمر سے بنتے تھے، کتبے پائدار چیزوں پر کندہ کیے جاتے تھے، مورتیں اور یادگاریں کھڑی کی جاتی تھیں، سکوں اور مہروں کا رواج تھا۔ جہاں تک ابتدائی تہذیبوں کا تعلق ہے ان میں سے کوئی چیز بھی موجود نہیں ہے۔ اگر علم الاقوام کی تحقیقات کی بدولت موجودہ زمانے

کی ابتدائی تہذیبوں سے مقابلہ نہ کیا جا سکتا تو علم آثارِ قدیمہ ان مختلف اوزاروں اور صنعت و حرفت کے نمونوں سے جو دنیا کے مختلف حصوں میں کھود کر نکالے گئے ہیں کوئی نتیجہ نہ اخذ کر سکتا۔ لیکن علم الاقوام کے مشاہدات اور آثارِ قدیمہ کے انکشافات کا مقابلہ کر کے جو بلا واسطہ اور بالواسطہ نتائج نکالے گئے ان سے قدیم تہذیبوں اور موجودہ زمانے کی ابتدائی قوموں کے تعلق پر روشنی پڑی۔

یہاں اتنی گنجایش نہیں کہ ہم یہ دکھا سکیں کہ کن چیزوں کا مقابلہ کر کے یہ تعلق دریافت کیا گیا۔ صرف ان حقائق کا جو عام طور پر تسلیم کیے جاتے ہیں ایک مختصر سا خاکہ پیش کر دینا کافی ہوگا اس لیے کہ ہمارا اصل مقصد آثارِ قدیمہ کے مسائل سے بحث کرنا نہیں ہے۔ ہمیں تو اس کے نظریات اور مشاہدات سے صرف اتنی واقفیت کی ضرورت ہے کہ ان قبل تاریخی بنیادوں کو سمجھ سکیں جن پر مختلف براعظموں میں ابتدائی تہذیبوں کی موجودہ کیفیت بنی ہے۔

کھدائی کے ذریعے سے جو اوزار اور آلات ملے ہیں ان کے لحاظ سے قبل تاریخی تہذیبوں کے تین دور قرار دیے گئے ہیں:۔

(الف) قدیم عہد حجری

(ب) جدید عہد حجری

(ج) عہد فلزی یعنی دھات کے اوزار اور آلات کا زمانہ۔

پہلے عہد کے پتھر کے اوزار اور آلات عام طور پر بھدّے ہیں دوسرے عہد کے صیقل کیے ہوئے، سڈول اور خوشنما ہیں تیسرے عہد کے عموماً دو حصّے کیے جاتے ہیں ایک تو دورِ تغیّر جس میں تانبے

اور پیتل کے ساتھ ساتھ پتھر کے اوزار اور آلات بھی استعمال ہوتے تھے
دوسرے وہ دور جب لوہا دریافت ہوُا اور کم و بیش صرف دھات کی
چیزیں استعمال ہونے لگیں۔ ان عہدوں کی تقسیم دنیا کے ہر حصّے پر
یکساں صادق نہیں آتی۔ جب بحرِ روم کے ساحل کے علاقے میں
صیقل کیے ہوئے پتھر کے آلات استعمال ہو رہے تھے تو شمالی
یورپ ہنوز قدیم عہد حجری سے گزر رہا تھا۔ وادی سندھ، عراق عرب،
کریٹ اور مصر میں تانبے، پیتل، سونے، چاندی کا استعمال شمالی یورپ
سائبیریا، مشرقی ایشیا اور امریکا سے بہت پہلے شروع ہوگیا تھا۔ لوہا
سب سے پہلے مغربی افریقہ میں پگھلاکر استعمال کیا گیا اور کم سے کم
یورپ اور ہندستان میں بہت دیر میں یعنی کوئی ہزار سال قبل مسیح
میں پہنچا۔ دوسرے ملکوں اور قوموں میں تہذیب اور صنعت کا پُرانا دور
اور بھی زیادہ عرصے تک قائم رہا۔ مثلاً جب یورپیوں نے آسٹریلیا کو
دریافت کیا اس وقت وہاں کے لوگ قدیم حجری تمدن کی منزل میں تھے
اور ملانیشیا والے جدید حجری تمدن کی منزل میں۔ ایشیائی بونے تھوڑے
دن پہلے تک پتھر کے آلات سے بھی ناواقف تھے اور صرف بانس
کے آلات بناتے تھے کہ یکایک ملایا اور چین کے تاجروں اور جدید
"موٹر کی تہذیب" نے ان کے گوشۂ عافیت میں بھی جاپانی مال کی
بھرمار کردی۔ ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ آثارِ قدیمہ کے یہ عہد دنیا کے ہر
حصّے کے لیے یکساں نہیں ہیں بلکہ صرف صنعت کے ایک معیار کو
ظاہر کرتے ہیں جس سے ہر قوم کی عام تہذیب کے متعلق الگ الگ
نتائج اخذ کیے جا سکتے ہیں۔

پتھر کے اوزار و آلات کی ساخت پر حد سے زیادہ زور دینے پر تنقید کی گئی ہے۔ اب عام طور پر یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ خود قدیم عہد حجری کے دو حصوں کے تہذیب و تمدن میں جتنا بڑا فرق پایا جاتا ہے اتنا قدیم اور جدید عہد حجری میں نہیں ہے۔ قدیم عہد حجری کے پہلے حصے کو اب ابتدائی عہد حجری کہتے ہیں۔ اور اسے علم الاقوام کی اولین تہذیب سے مطابقت دیتے ہیں۔ دوسرا حصہ وسطی عہد حجری[15] کہلاتا ہے۔ اس وسطی عہد میں پتھر کے آلات بنانے کے دو مختلف طریقے اور مینگھن کے قول کے مطابق ایک تیسرا طریقہ جس میں زیادہ تر ہڈی سے کام لیا جاتا تھا پایا جاتا ہے[16]۔ اس قسم کی تفریق ابتدائی عہد حجری میں بھی نظر آتی ہے مگر اتنی نمایاں نہیں ہے جتنی وسطی عہد میں۔ علاوہ ازیں اس کے کافی قرائن موجود ہیں کہ وسطی عہد حجری میں لوگ مستقل مکانوں میں بلکہ کہیں کہیں بڑی بڑی بستیوں میں رہتے تھے۔ مختلف تہذیبی دائرے ایک دوسرے کے اثرات قبول کرتے تھے اور آرٹ جادو اور طریق عبادت کے اختلاف کی بنا پر مردوں کو دفن کرنے، انسانوں کے مجسمے بنانے اور آدمیوں اور جانوروں کی تصویر کھینچنے کے الگ طریقے پیدا ہو گئے تھے۔ ان سب واقعات کی بنا پر ہم یہ فرض کرسکتے ہیں کہ تہذیب کی جن تین قسموں کا آثارِ قدیمہ میں ذکر ہے وہ ان تین تہذیبی دائروں سے مطابقت رکھتی ہیں جو علم الاقوام کی رو سے اولین تہذیب سے نکلے تھے۔ اس تصور کو آسولڈ مینگھن نے ایک نظام کی شکل دے دی ہے جسے ہم اس بحث میں پیش نظر رکھیں گے۔ جدید عہد حجری تہذیب و تمدن کا کوئی جداگانہ دور نہیں تھا بلکہ یہ ابتدائی تہذیبی دائروں

نمبر ۱

نمبر ۲
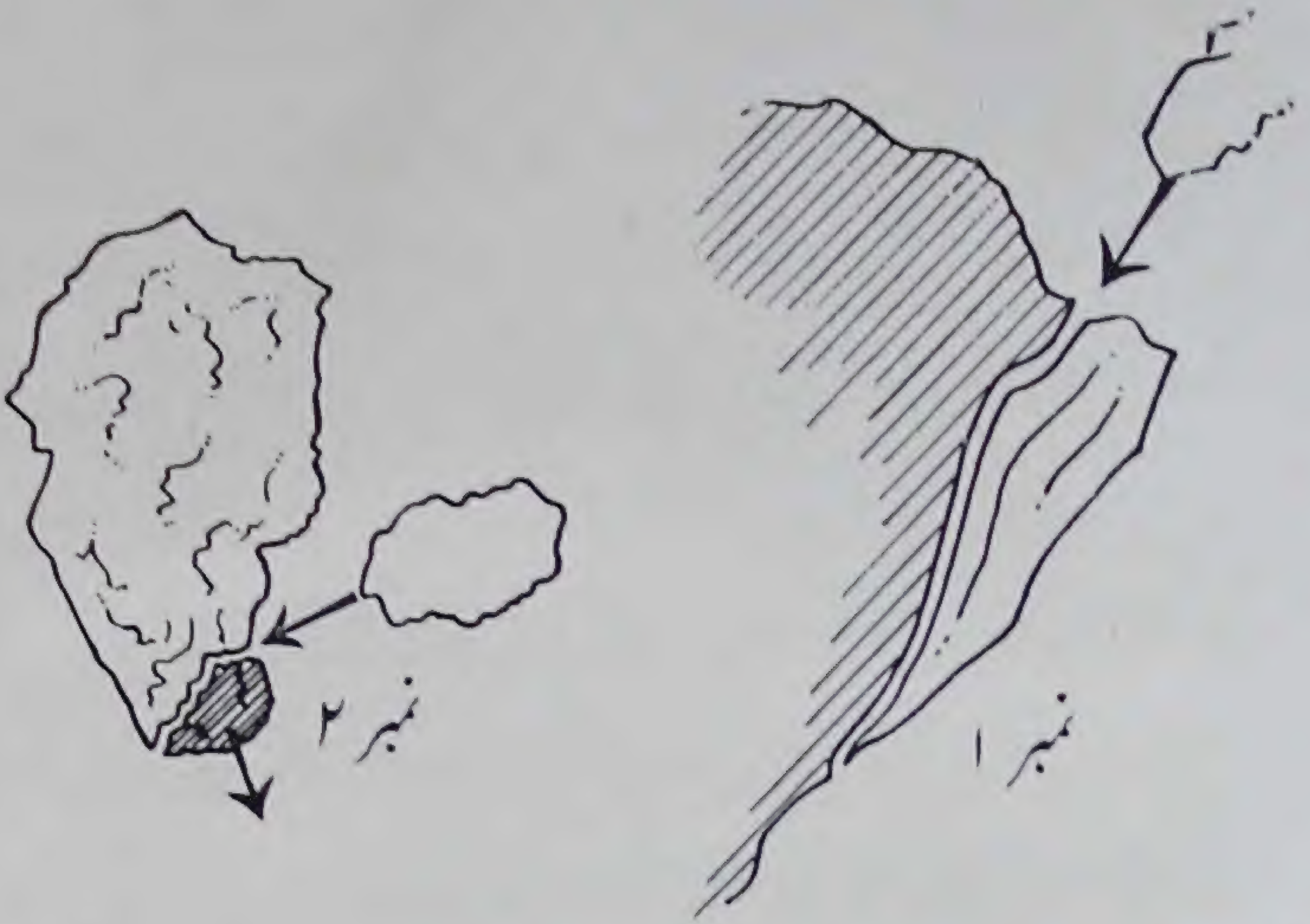
پتھّر کے اَوزاروں کے نمونے اور اُن کے بنانے کے طریقوں کا فرق

(۱) ایک پتھر سے دستی تبر بنانے کے لیے بے کار حصہ توڑ کر الگ کر دیا جاتا ہے۔ تیر کا نشان یہ دکھاتا ہے کہ چوٹ کہاں پر پڑتی ہے۔ ترچھے خطوط ////////// ان بے کار ٹکڑوں کو ظاہر کرتے ہیں جو توڑ کر الگ کر دیے گئے ہیں۔

(۲) ایک پتھر سے کتل الگ کیا جا رہا ہے، تیر کا نشان اور ترچھے خطوط یہاں بھی وہی باتیں ظاہر کرتے ہیں جو نمبر ۱ میں۔

(۳) کتل بنانے کے اوزار کی نوک پلک دُرست کی جا رہی ہے۔ کنارے کو ٹھیک کرنے کے لیے لکڑی یا ہڈی کا ٹکڑا ٹھونکا جا رہا ہے۔

نمبر ۳
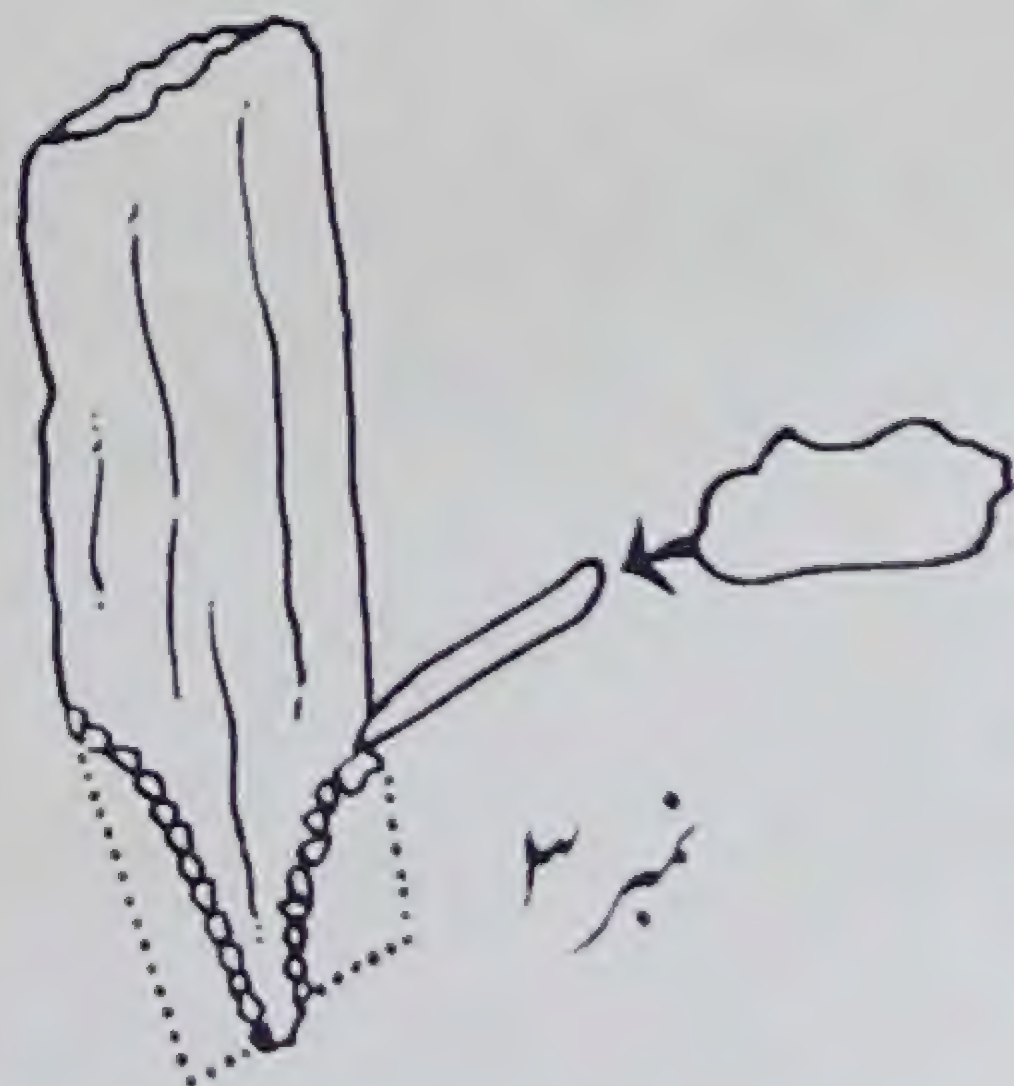
کی ترقی کی ایک منزل تھی جس کا ذکر ہم نے مادری، ٹوٹمی اور خانہ بدوش گلہ بانوں کی نشو و نما کے سلسلے میں کیا ہے۔ تانبے، پیتل اور پھر لوہے کا استعمال اس وقت شروع ہوا جب مختلف تہذیبوں اور نسلوں کے میل جول سے بڑی شہری ریاستوں کی بنیاد پڑی جن پر ابتدا میں مادری تہذیب کا رنگ غالب تھا۔ ۹۵

پتھر کے اوزار بنانے کے دو طریقے تھے اور ان سے دو مختلف قسم کے اوزار بنتے تھے (الف) دستی تبر (ب) کتّل۔ تبر کے بنانے کا اصول تو یہ ہے کہ ایک بڑا سا پتھر لے کر اُسے تراشتے اور گھڑتے ہیں۔ اس کے علاوہ جا بجا ہڈی بانس یا لکڑی کے ٹکڑے جڑ کر ایسے اوزار بنا لیتے ہیں جو بھاری اور بھدے ہونے کے باوجود بہت کار آمد ہوتے ہیں۔ اس تہذیب کے ابتدائی دور میں یہ بغیر دستے کے ہاتھ سے استعمال ہوتے ہوں گے اس لیے دستی تبر کہلانے لگے۔ کتّل کے بنانے کا طریقہ دوسرا ہے۔ ایک بغیر ترشے ہوئے پتھر کو دوسرے پتھر سے توڑ کر چھوٹے چھوٹے کتّل الگ کر لیے جاتے ہیں۔ ان کی ایک خاص شکل ہوتی ہے۔ دستی تبر کی طرح انھیں بھی کوئی مقابلتہً نرم چیز مثلاً لکڑی، بانس یا ہڈی جڑ وا کر جس شکل میں چاہیں لا سکتے ہیں، مثلاً فرق یہ ہے کہ ان میں کتّل ہوتا ہے اصل اوزار پورا پتھر نہیں بلکہ اس کا ایک یہ اوزار زیادہ ہلکے تیز اور پتلے ہوتے ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ صرف بانس، لکڑی یا ہڈی کے دستوں کے ذریعے استعمال ہوتے ہوں گے۔ آگے چل دستی تبر بھی دستوں کے ذریعے سے کام میں آنے لگے۔ مگر ابتدا میں انھیں بلا واسطہ ہاتھ میں پکڑ کر کام لیا جاتا تھا۔

پتھر کے اوزاروں کی ان عام صفات اور کچھ اور خاص باتوں سے جو ان کے متعلق دریافت ہوئی ہیں یہ نتیجہ نکالا گیا ہے کہ دستی تبر مادری تہذیب کی حامل قوموں کی ایجاد ہے جن میں کاشت کے لیے بھاری اوزاروں کی ضرورت تھی اور کتل ٹوٹمی قبائل بناتے ہوں گے۔ ان کتلوں کی تیزی سُبکی اور نقل کی سہولت سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ یا تو شکاریوں کے ہتھیار تھے یا جنگجو حملہ آوروں کے۔ تیسری تہذیب جس کی خصوصیت ہر قسم کے اوزاروں کے لیے ہڈیوں کا استعمال ہے زیادہ تر بحر منجمد شمالی کے علاقے اور یورپ کے اونچے پہاڑوں میں برفانی دور میں پائے جاتے ہیں اس لیے ان کا تعلق خانہ بدوش گلہ بانوں کی تہذیب سے معلوم ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ہمارے فرضیے کی رو سے آثارِ قدیمہ کا ابتدائی حجری عہد علم الاقوام کی اولین تہذیب اور غالباً تینوں ابتدائی تہذیبی دائروں کی پہلی منزل سے مطابقت رکھتا ہے اس لیے کہ دستی تبر اور کتل کی تفریق آثارِ قدیمہ کے ابتدائی حجری عہد ہی میں نظر آنے لگتی ہے۔ بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ اصلی اولین تہذیب میں پتھر کے اوزاروں کا رواج ہی نہیں تھا بلکہ لوگ صرف بانس اور لکڑی کے اوزار استعمال کرتے تھے جیسے ملاکا اور وسطی افریقہ کے بونے آج تک کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ اوزار زمانے کی دست برد سے محفوظ نہیں رہے۔ اس لیے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ابتدائی عہد حجری کے "سب سے قدیم" اوزار جو پائے گئے ہیں اولین تہذیب کے آخری زمانے اور تینوں ابتدائی تہذیبوں کی پہلی منزل سے تعلق رکھتے ہیں۔

وسطی حجری عہد کے دستی تبر، کتّل اور ہڈیوں کے اوزار بالترتیب مادری، ٹوٹمی اور خانہ بدوش گلہ بانوں کی تہذیب سے منسوب کیے جا سکتے ہیں۔

جدید عہد حجری علم الاقوام کی انھیں تین تہذیبوں کی بعد کی منزل سے مطابقت رکھتا ہے۔ عہد حجری کی گول تبر کی تہذیب جو ہندستان جنوب مشرقی ایشیا اور وسطی افریقہ میں نمایاں حیثیت رکھتی ہے مادری دیہاتی تہذیب کی ایک خاص اہم منزل سے متعلق معلوم ہوتی ہے۔ جدید عہد حجری کی مختلف تہذیبوں میں جو مشرقِ قریب، شمال اور مشرقی افریقہ بحر روم کے ساحلی علاقے اور مغربی یورپ میں پائی جاتی تھیں جس طرح باہمی تعلق اور میل جول پیدا ہوا اس کی تفصیل یہاں نہیں بیان کی جا سکتی۔ صرف اتنا کہ دینا کافی ہے کہ اسی میل جول کے ذریعے سے اسپین اور چین کے درمیان مذکورہ بالا ملکوں میں تمدنی اتحاد پیدا ہوا اور اسی کی بنیاد پر تانبے اور پیتل کے ابتدائی عہد میں بڑی بڑی شہری ریاستیں قائم ہوئیں۔ وادی سندھ میں مہنجو دارو اور ہڑپا، عراق عرب، جنوبی عرب، قبل ملوکی مصر اور کریٹ کی منوی تہذیب سب سے اہم مثالیں ہیں اس قسم کے مخلوط تمدن کی جس پر مادری تہذیب کا رنگ غالب تھا۔ ان میں یہ خلط ملط صرف تہذیب ہی کے لحاظ سے نہیں بلکہ نسل کے لحاظ سے بھی ہوا تھا جیسا کہ کھود کر نکالے ہوئے انسانی ڈھانچوں اور کھوپڑیوں سے معلوم ہوتا ہے۔

آثارِ قدیمہ کے اوزار کی تقسیم کے سلسلے میں دستی تبر اور کتّل کے مختلف نمونوں کا نام رکھنے کا جو طریقہ اختیار کیا گیا ہے وہ بہت پیچیدہ

ہے۔ عموماً ہر نمونہ اور آثارِ قدیمہ کا ہر دور جس سے وہ تعلق رکھتا ہے اس مقام کے نام سے موسوم ہے جہاں یہ نمونہ پہلی بار پایا گیا تھا۔ یہ طریقہ ماہرین فن کے لیے کارآمد ہے جو ہر نمونے کے نام کو سنتے ہی فوراً سمجھ جاتے ہیں کہ یہ سب سے پہلے کہاں پایا گیا تھا۔ لیکن عام لوگوں کے لیے یہ نام (عموماً فرانس دریائے رھائن کے علاقے، شمالی اطالیہ، اسپین اور انگلستان کے ان چھوٹے قریوں کے نام جہاں سے یہ نمونے کھود کر نکالے گئے) کوئی معنی نہیں رکھتے۔ علم الاقوام کی اس چھوٹی سی اُردو کتاب میں یوں ہی غیر ملکی ناموں اور اصطلاحوں کی بھرمار کیا کم ہے کہ اوپر سے آثار قدیمہ کے ادوار کے نام اور لاد دیے جائیں۔ ہم صرف بڑے بڑے عہدوں کے نام پر اکتفا کریں گے جن کا تعلق ایسے اوزاروں سے ہے جو صرف فرانس اور یورپی ملکوں میں نہیں بلکہ دنیا کے دوسرے حصوں میں بھی پائے گئے ہیں۔ ۹

ابتدائی عہد حجری میں شیلی، اشیلی اور موستیری تہذیبوں کی تفریق کی گئی ہے۔ پہلی دو تہذیبیں دستی تبر کی ہیں اور تیسری کتّل کی۔ جنوبی ہند میں مدراسی تہذیب کا ابتدائی زمانہ شیلی تہذیب سے اور بعد کا زمانہ اشیلی تہذیب سے تعلق رکھتا ہے۔ مدراس کے اوزار فرانس کے اوزاروں کے بہت دن بعد کھود کر نکالے گئے لیکن وہ زمانے کے لحاظ سے زیادہ قدیم سمجھے جاتے ہیں۔ وِلڈکرشی اور ویلڈی دور ابتدائی عہد حجری کے اندر ہڈی کی تہذیب کے زمانے ہیں۔

وسطی عہد حجری میں کتّل بنانے کے بہت سے طرزوں میں سے حسب ذیل خاص اہمیت رکھتے ہیں اس لیے کہ ان نمونوں کے کتّل

۱
(الف) (ب)

۲
(الف) (ب)

۳
(الف) (ب)

۴
(الف) (ب)

۵

۶
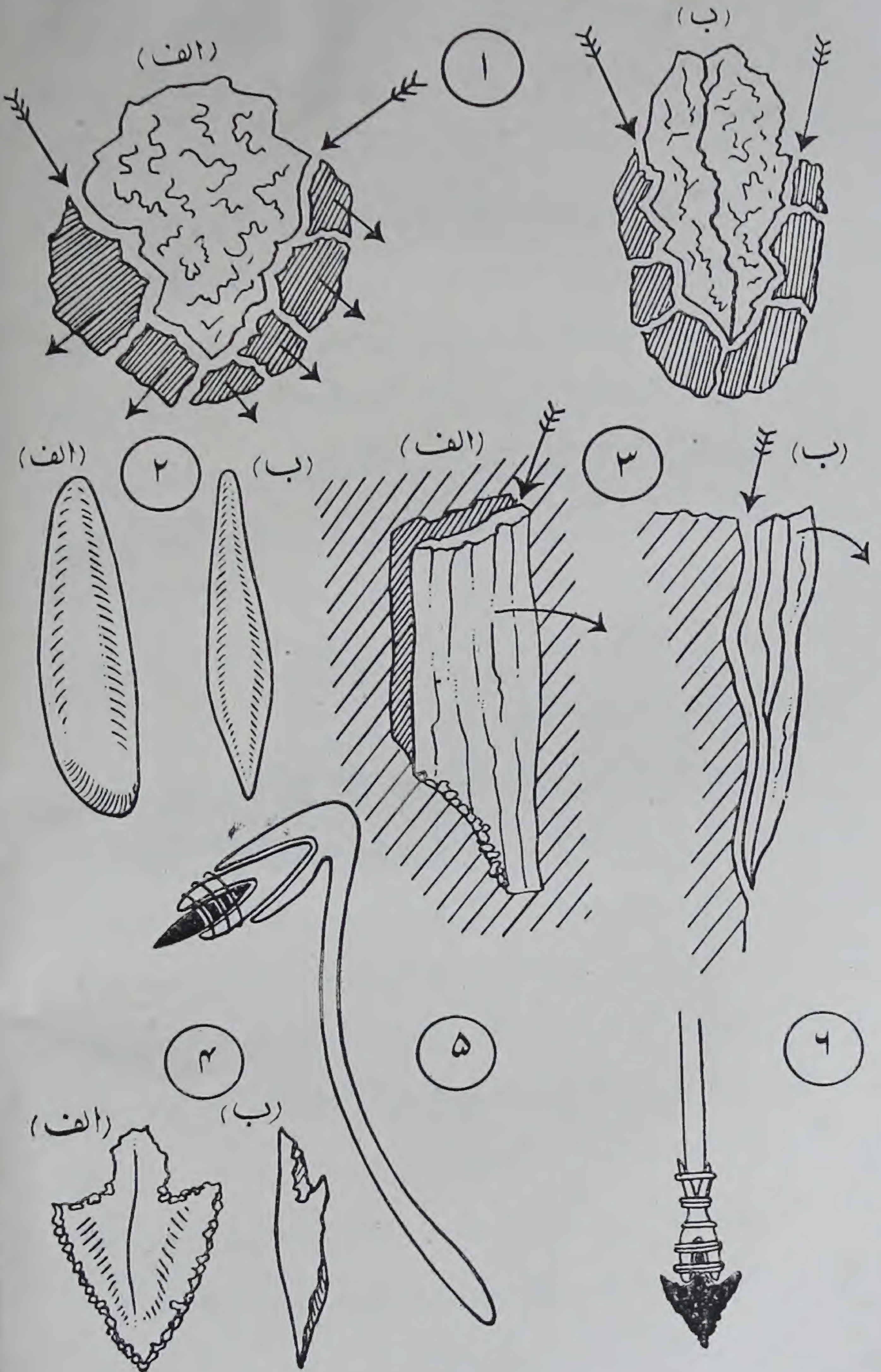
پتّھر کے اَوزاروں کی دو خاص قسمیں اور اُن کی نشو ونما کی دو منزلیں

① ابتدائی دستی تبر [قدیم عہد حجری]

(الف) سامنے کے رُخ سے؛ (ب) ترچھے رُخ سے؛

ترچھے خطوط ////// وہ حصّے ظاہر کرتے ہیں جو تبر بنانے کے لیے اصل پتّھر سے توڑ کر الگ کر دیے جاتے ہیں۔ تیر کا نشان وہ رخ ظاہر کرتا ہی جدھر چوٹ پڑتی ہی۔
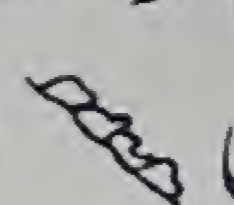
② صیقل شدہ گول دستی تبر [جدید عہد حجری]

(الف) سامنے کے رُخ سے؛ (ب) ترچھے رُخ سے؛

③ ابتدائی کتّل کے اَوزار [قدیم عہد حجری]

(الف) سامنے کے رُخ سے؛ (ب) ترچھے رُخ سے؛

ترچھے خطوط ////// پتّھر کے بے کار حصّے کو ظاہر کرتے ہیں جس میں سے کتّل الگ کیا جا رہا ہی۔ (یہ عمل دستی تبر بنانے کے عمل کا برعکس ہی)؛

یہ نشان نوک پلک نکالنے کے عمل کو ظاہر کرتا ہی۔

④ صیقل شدہ کتّل [جدید عہد حجری]

(الف) سامنے کے رُخ سے؛ (ب) ترچھے رُخ سے؛

⑤ ایک بسولی نما پتّھر کے اوزار کو جس کا بیچ کا حصّہ لکڑی کا ہی دستے میں لگانے کا ایک طریقہ (یہ اَوزار ملائیشیا میں اکثر ملتا ہی)؛

⑥ صیقل شدہ پتّھر کے کتّلوں کو برچھے کے پھل کے طور پر لکڑی کے دستوں میں لگانے کا ایک طریقہ۔ (منجملہ اور طریقوں کے)؛

یورپ کے علاوہ دوسرے ملکوں میں بھی پائے جاتے ہیں :-
اوریینیشی، سولنٹروی، مادلینی (جس میں ہڈیوں خصوصاً شمالی ہرنوں کی ہڈیوں کا استعمال یہ ظاہر کرتا ہی کہ گلہ بانوں نے غیرمعمولی سردی کے دور میں یورپ پر حملہ کیا تھا) اسویدیری (جو پولینڈ اور رومانیہ کے چوالا پوگوویشی طرز سے ملتا جلتا ہی) زوہاوی اور ازیلی) قارد ینواسی طرز شمالی افریقہ کی برتر کاپسی تہذیب کو ظاہر کرتا ہی اور یہاں سے جدید عہد حجری شروع ہو جاتا ہی۔
ہندستان میں وسطی عہد حجری کے کتلوں کے تین مختلف نمونے ملتے ہیں :-
(الف) وسط ہند (باندا اور کالنجر) کا (ب) جبل پور کا جس کے ساتھ مٹی کے برتن بھی پائے جاتے ہیں (ج) وندھیاچل کے مراہنا پہاڑ کا جس کے ساتھ بھدّے مٹّی کے برتن اور غاروں میں سُرخ نقش و نگار بھی پائے جانے ہیں۔ وسط عہد حجری کے دستی تبر کے طرزوں میں چیکو۔لوواکیا کے اونڈراتیشی، اور پریڈ ماشی، ہنگری کا سیلٹیاسی اور جنوبی روس کا میزائنی طرز سب سے نمایاں ہی۔ ہڈیوں کے مفروضہ طرزوں میں سائبیریا کا شگیرا اور پالٹک کے علاقے کا کنڈا طرز قابلِ ذکر ہی۔ جدید عہد حجری کے کثیر التعداد طرزوں کا ذکر کرنے کی یہاں گنجائش نہیں ہی۔
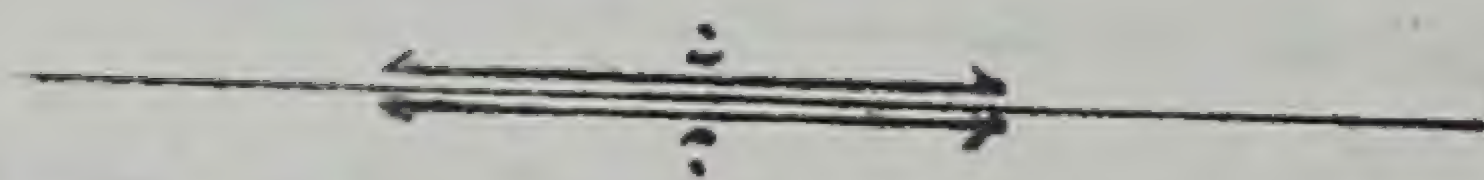
دسواں باب

افریقہ کی کیفیت تاریخ تمدن کے لحاظ سے

ایشیا جو انسانی تہذیب و تمدن کا گہوارہ سمجھا جاتا ہے، اس کا ذکر ہم سب سے پہلے نہیں بلکہ سب کے بعد میں کریں گے اور وہاں ہندستان کے خطے کا حال کسی قدر تفصیل کے ساتھ بیان کیا جائے گا۔ افریقہ تاریخ تمدن کے نقطۂ نظر سے دوسرے نمبر پر آتا ہے بلکہ ایلیٹ اسمتھ کا تو یہ خیال ہے کہ تہذیب و تمدن کا آغاز ایشیا میں نہیں افریقہ میں ہوا۔ آثارِ قدیمہ علم الانسان اور ایک حد تک تاریخ کی شہادت بھی اس فرضیے کی تائید کرتی ہے جیسا کہ ہم آیندہ اوراق میں دیکھیں گے۔

آثارِ قدیمہ کی کیفیت

افریقہ کا ابتدائی عہد حجری دستی تبر کی تہذیب اور موستیری طرز کی کتلوں کی تہذیب پر مشتمل ہے۔ اس سلسلے میں دار البحری کا مقام اہمیت رکھتا ہے۔ جنوبی افریقہ میں ابتدائی عہد حجری کی دستی تبر کی تہذیبوں کے آثار اسٹیلن بوش، فائر اسمتھ اور وکٹوریا ویسٹ کے مقامات پر پائے جاتے ہیں۔ اس بات کا فیصلہ آسان نہیں کہ ان کی بنا پر افریقہ کی ابتدائی تہذیب شمالی ٹوٹمی اور جنوبی مادری تہذیبوں میں تقسیم کی جا سکتی ہے یا نہیں۔

افریقہ کا وسط عہد حجری بڑی اہمیت رکھتا ہے اس لیے کہ شمالی افریقہ کی کتلوں کی تہذیب ہزار ہا سال تک زندہ رہی اور نشو و نما پاکر شکاریوں کی ٹوٹمی تہذیب بن گئی جس کا فروغ جدید عہد حجری میں اور قریب قریب شمالی افریقہ اور مغربی یورپ کے ابتدائی تاریخی عہد کے آغاز تک رہا۔ وسط عہد حجری کے کتلوں کے اس طرز کے ساتھ جو مقام گفسہ کے نام پر کاپسی کہلاتا ہے مٹی کے برتن بھی پائے جاتے ہیں اور وہ شاید نوع انسانی کی تاریخ میں سب سے پہلے بنائے گئے تھے۔ کتل کی صنعت جو غالباً ٹوٹمی طرز کی ہے جنوبی افریقہ میں پائی جاتی ہے اور وسطی افریقہ میں دستی تبر کے نمونے ملتے ہیں جو اغلباً مادری تہذیب سے تعلق رکھتے ہیں مثلاً وادی کانگو میں بمبئی طرز اور شمالی لینڈ میں گبانی طرز کا تبر۔

جدید عہد حجری میں وسطی افریقہ کی مادری تہذیب نائگر گینی ساحل اور یوئیل میں گول تبر کی تہذیبوں کی شکل میں اور شمالی مصر میں بداری، امرہ اور گرزہ کی ترقی یافتہ اور مخلوط دیہاتی تہذیبوں کی شکل میں باقی رہی جن کا زمانہ چار ہزار برس قبل مسیح سمجھا جا سکتا ہے۔ بداری تہذیب کی خصوصیت مویشی، بھیڑیں اور ہاتھی دانت ہے امرہ کی تہذیب کی خصوصیت پالتو سؤر اور گرزہ میں بہتر قسم کے سرخ مٹی کے روغنی برتن پائے گئے ہیں۔ صحرائے اعظم میں اس زمانے میں ایک ترقی یافتہ دیہاتی تہذیب کا پتہ چلتا ہے جس میں مویشی، بھیڑوں اور سوروں کے لیے کثرت سے چارہ موجود تھا۔ اس وسیع خطے میں جا بجا بڑے پتھروں کی قبریں ملتی ہیں جیسی ہندستان میں دکن اور مغربی ساحل، جنوب مشرقی ایشیا، شمالی فرانس اور انگلستان میں پائی گئی ہیں۔ ان دیہاتی تہذیبوں کو مصر کی عظیم الشان

شہری ریاستوں کے قیام سے بنیادی تعلق ہے۔ عام خیال یہ ہے کہ ۳۰۰۰ء اور ۲۰۰۰ء ق۔م کے درمیان مسلسل خشک سالی کی وجہ سے صحرائے اعظم ویران ہوگیا۔

جغرافی تقسیم

افریقہ پانچ بڑے خطّوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے جن کی طبیعی اور معاشی حالت بڑی حد تک ان کے باشندوں کے تہذیب و تمدن کا تعین کرتی ہے۔

(۱) شمال کا ریگستانی علاقہ، جس میں جا بجا زرخیز نخلستان اور وادیاں بھی ہیں۔ اس کے باشندوں کو اونٹوں پر سوار ہو کر صحرا سے گزرنا پڑتا ہے۔ مصر کے تاریخی عہد کے آغاز سے کچھ ہی پہلے ۳۰۰۰ ق۔م میں یہ خطّہ زرخیز مرغزاروں اور جنگلوں پر مشتمل تھا۔

(۲) سوڈان کا خطّہ۔ زیادہ تر میدانوں پر مشتمل ہے جو صرف برسات کے موسم میں سرسبز ہوتے ہیں اور باقی سال ریگستان کی طرح خشک کرتے ہیں۔ کہیں کہیں اِکّا دُکّا درخت اور جھاڑیاں پائی جاتی ہیں۔ گویا اسے شمالی افریقہ کے ریگستانی خطّے اور وسطی افریقہ کے جنگلوں کے بین بین سمجھنا چاہیے۔ سینگال اور نائیجیریا کی وادیاں، تساد جھیل اور دریائے نیل کی بالائی وادی اسی خطے میں شامل ہے۔

(۳) جنگلوں کا گرم مرطوب علاقہ۔ یہاں کی تہذیب مذکورہ بالا خطّوں کی تہذیب سے جو معاشی اعتبار سے مشرق قریب عرب بحر روم کے ساحلی علاقے سے وابستہ ہے بالکل مختلف ہے۔ اس حصے میں غذا کی کوئی

خاص کمی نہیں ہو۔ کیلے، پھل اور جڑیں کثرت سے پیدا ہوتی ہیں۔ مختلف قسم کے بڑے بڑے جانور شکاریوں کے لیے غذا کا کافی سامان بہم پہنچاتے تھے ۔مگر آج کل کی موٹر کار کی تہذیب نے فطرت کے اس خوشنما اور محفوظ مامن پر بھی چھاپہ مارا اور اس کی زرخیزی اور خوشحالی کو برباد کرنا شروع کردیا۔ کانگو کا وسیع علاقہ، مشرقی افریقہ کی جھیلیں، دریائے نائگر کا کنارہ اور ساحلی گنی اس خطے میں داخل ہیں۔ ممکن ہو کہ یہی خطہ انسانی تہذیب کا گہوارہ یا کم سے کم اس کے پہلے بڑے کارنامے یعنی ابتدائی زراعت کا مقام آغاز ہو۔ تاریخ تمدن کا سب سے دلچسپ مسئلہ جواب تک حل نہیں ہوا یہی ہو کہ زراعت سب سے پہلے یہاں شروع ہوئی یا ہندستان میں یا اور مشرق کی طرف ہٹ کر سیام یا ملاکا میں۔

(۴) جنوب کا مخلوط آب و ہوا کا خطہ جو وسط افریقہ کے جنگلوں سے راس امید تک پھیلا ہوا ہو۔ اس خطے میں سوڈان کے مقابلے میں کسی قدر سردی ہو اور پانی کچھ زیادہ پایا جاتا ہو۔ مویشی اور بھیڑیں پالنے والوں کی اشراقی[۱] قومیں مثلاً ہریرو اہل ہالینڈ کے حملے سے قبل یہاں رہتے تھے۔ جنگِ عظیم سے پہلے جرمنوں نے ان حبشی خانہ بدوش گلہ بانوں میں سے اکثر کو یا تو ختم کردیا یا بہت پست حالت کو پہنچا دیا۔

(۵) کیلاہری کا جنوبی ریگستان جس میں "جھاڑی والوں کی پستہ قد قوم آباد ہو۔ یہ لوگ اس خطے کی خشک سالی اور غذا کی کمی کو برداشت کرنے کے لیے خاص طور پر موزوں ہیں۔ یہ افریقہ کے بہت قدیم

---

[۱] Aritocratic

اصلی باشندوں کی بچی کھچی یادگار ہیں۔ اصل میں یہ حبشی نسل سے تعلق نہیں رکھتے تھے لیکن آگے چل کر یہ اُن ترقی یافتہ حبشیوں سے مخلوط اور ان کی تہذیب سے متاثر ہوئے جو یقیناً بونوں کے بعد اور غالباً ان جھاڑی والوں کے آباؤ اجداد کے بھی بعد افریقہ میں آئے تھے۔

خاص خاص لسانی جماعتیں

(۱) حامی سامی زبانوں کی جماعت۔ وہ سب مختلف قومیں جو اس جماعت سے تعلق رکھتی ہیں بہت قدیم تہذیب اور تاریخی روایات کی مالک ہیں۔ یہ قریب قریب یقینی بات ہے کہ ایک اشرافی حکمراں طبقے نے ایشیا کے ہمسایہ ملکوں سے افریقہ پر حملہ کیا اور یہ آریوں کے ہندستان پر ترک اور منگول قوموں کے چین اور روس پر اور ہندی یورپی زبانیں بولنے والی قوموں کے یورپ پر حملہ کرنے سے بہت پہلے کا واقعہ ہے۔ ۳۰۰۰ ق۔م میں حامی سامی حکمراں قوم شمالی افریقہ میں موجود تھی لیکن جو قومیں یہ زبانیں بولتی ہیں ان کی تہذیب اور روایات کا سلسلہ اس سے کہیں پہلے تک پہنچتا ہے۔ ان میں بربری جماعت سب سے نمایاں ہے۔ اس جماعت کی "توارگ" یا تماشگ قوم میں ایک مادری تہذیب موجود ہے جس کا تعلق مہنجو دارو کی قسم کی مادری شہری ریاست سے معلوم ہوتا ہے۔ تماشگ زبان اور اس زبان کو بولنے والی قوم کا مرکز شمالی مغربی افریقہ جنوبی مراکو اور الجیریا ہے۔ مشرقی افریقہ میں اس اعتبار سے گالا اور صُمالی زبانیں نمایاں ہیں لیکن اس سے بھی زیادہ اہم امہری زبان ہے جو ایشیا کی خالص سامی زبانوں سے بہت قریبی تعلق رکھتی ہے۔ امہرہ قوم اور

امھری زبان ایک نہایت قدیم عیسوی تہذیب کی یادگار ہی۔
حامی اور سامی شاخوں کا تعلق ابھی تک معین نہیں ہو سکا ہی۔
بروکلمان جس کی رائے زبان کے مسئلے میں سند ہی کہتا ہی کہ حامی زبانیں سامی زبانوں اور افریقہ کی "دیسی" زبانوں کے خلط ملط سے بنی ہیں۔ لیکن افریقی زبانوں میں باہم اتنا زیادہ اختلاف ہی کہ ہم مذکورہ بالا قول سے مطئین نہیں ہو سکتے۔

(۲) سوڈانی زبانیں سوڈان کے خطّے میں رہنے والے دراز قد اور خوبصورت حبشیوں کی مختلف زبانوں اور بولیوں پر مشتمل ہیں۔ بانٹو زبانوں سے جن کا ذکر آگے آئے گا سوڈانی زبانوں کے تعلق اور خود بانٹو کی اندرونی تقسیم کا مسئلہ ابھی تک صاف نہیں ہوا ہی۔ عموماً ذیل کی تقسیم کی جاتی ہی۔ مغربی افریقہ کی پولا زبانیں، مغربی افریقہ کے شرقی حصے کی ٹڈنگو اور ملنکی زبانیں، ساحلی خطے کی مانفو اور اُس کے شمال کی ہوسا زبانیں۔ اس علاقے سے مشرق کی طرف ہٹ کر کنوری اور کانگو کے شمال میں دولی زبانیں بولی جاتی ہیں جو سوڈانی زبانوں کے خاندان سے تعلق رکھتی ہیں۔

مشرقی افریقہ میں نیلوی زبانوں کا ایک چھوٹا سا حلقہ ہی۔ شمال میں خالص نیلوی زبانیں بولنے والی قوموں مثلاً دنکا، نوئر اور شلک کو علم الاقوام اور لسانیات کے نقطہ نظر سے ایک قدیم تر عنصر سمجھنا چاہیے۔ جنوب میں نیلوی حامی زبانیں حامی سامی زبانوں کے ساتھ مخلوط ہیں۔ مسائی زبان (اور قوم) اس حلقے کا ایک اہم عنصر ہی۔

بانٹو زبانیں اپنی بولیوں اور بولنے والوں کی تعداد کے لحاظ سے

بہت اہمیت رکھتی ہیں۔ ان کی بہت سی چھوٹی چھوٹی شاخیں ہیں اور وہ ان مقامات کے نام سے موسوم ہیں جہاں وہ بولی جاتی ہیں۔ سواحلی ایک قسم کی مشترک زبان ہے خصوصاً مشرقی ساحل کے علاقے میں۔ یہ بانٹو زبانوں کو عربی الفاظ اور رسم الخط کے ساتھ سمونے سے بنی ہے۔

جھاڑی والوں کی زبانوں کا مجموعہ اپنی دو اہم زبانوں کے لحاظ سے کھوئن سان کہلاتا ہے۔ ابھی تک یہ نہیں کہا جا سکتا کہ آیا جھاڑی والوں کی زبانیں بھی اتنی ہی قدیم ہیں جتنی ان کی تہذیب۔

افریقہ کے مختلف خطّوں کی کیفیت

تاریخ تمدن کے لحاظ سے

شمالی افریقہ آج کل ایک ریگستانی خطّہ ہے۔ یہاں کی تہذیب کی دو خصوصیتیں ہیں ایک تو زراعت اور باغبانی کی ایک ترقی یافتہ شکل جو زیادہ تر پھل دار درختوں کی کاشت سے تعلق رکھتی ہے دوسرے اونٹ پر سوار ہو کر بڑے بڑے فاصلے طے کرنا۔ معاشی اور معاشرتی حیثیت سے خانہ بدوش گلّہ بانوں کی تہذیب کا عربی طرز رائج ہے اگرچہ اس کے ساتھ اور بہت سے عناصر بھی مخلوط ہیں۔ ان میں سے ایک مادری شہری تہذیبوں کا اثر ہے جنھوں نے کسی زمانے میں فروغ پایا تھا۔ دوسرے بحر روم کے ساحل کی شہری ریاستوں کے اثرات۔ اس خطّے کے مغرب میں تماشگ قوم نے زمانہ قدیم کے شہری تمدن کے اس ورثے کو اب تک محفوظ رکھا ہے ممکن ہے کہ زمبابوے اور مونا ماٹا پا کے کھنڈر اسی تمدن سے تعلق رکھتے ہوں۔

صحرائے اعظم کا جنوبی حصّہ سوڈان کی سرحد سے ملتا ہے۔ صحرا پر خشک سالی کا دور گزرنے سے پہلے ان دونوں خطّوں میں، جن میں اب بالکل قطع تعلق ہو گیا ہے، بہت آمدورفت اور تعلقات رہے ہوں گے۔ اس کا اندازہ صحرا کے جنوبی حصے کے اِکّا دُکا شکاری قبائل سے ہوتا ہے۔
سوڈان کی تمدنی تاریخ کئی لحاظ سے اہم ہے۔ یہ سب سے قدیم حبشی تمدن کا مرکز ہے جو مادری زراعتی اور ٹوٹمی شکاری تہذیبوں پر مبنی تھا اور گلّہ بانوں کی تہذیب سے بھی متاثر ہوا تھا۔ سوڈان کے لمبے ترڈنگے خوبصورت حبشی آج تک زراعت کی ترقی یافتہ شکل کے ساتھ ساتھ جو باجرے، مکئی اور دوسرے غلّوں کی کاشت پر مشتمل ہے، مویشی، بھیڑیں اور تھوڑے بہت سوٗر بھی پالتے ہیں۔ لوہے کے پگھلانے اور استعمال سے واقفیت، پیتل اور تانبے کا نفیس کام اور جاگیرداری طرز کی بڑی بڑی ریاستوں کی روایات اس کی شہادت دیتی ہیں کہ یہ تہذیب بڑی پرانی ہے۔ اسی خطّے میں زمبابوے اور مونوماٹاپا کے قبل تاریخی شہروں کا محل وقوع ہے۔ سوڈان ہی مغرب اور مشرق کے درمیان وہ شاہراہ تھی جس سے اتنی غیر ملکی تہذیبیں افریقہ میں داخل ہوئیں، اغلب ہے کہ مہنجوداڑو کی قسم کی مشرقی تہذیب کا اثر پڑا ہو۔ آگے چل کر مصر کا اور حامی قوم کے مویشی پالنے والوں اور ان کے اشرافی طرز حکومت کا اثر پڑا جو بڑے بڑے گلّوں کے پالنے پر مبنی تھا۔ دو تین صدی سے عرب کی اسلامی تہذیب کے اثرات زیادہ نمایاں ہیں اور حال میں امریکی تہذیب نے لیبریا کی جمہوری ریاست کی شکل میں، جس میں امریکی حبشی بھی آباد ہیں، اپنا اثر ڈالنا شروع کیا ہے۔ غالباً اسی خطّے میں افریقہ میں سب سے

پہلے بسنے والے حبشیوں نے اپنا مرکز قائم کیا تھا اگر بعض مصنفوں کا یہ قول صحیح ہے کہ ان کا حملہ قریب تر زمانے میں ہوا تھا۔ اور اگر ہم اس نظریے کو تسلیم کرلیں کہ لوہے کو پگھلانا اور کام میں لانا افریقہ میں ایجاد ہوا تو یہ زبردست ایجاد بھی سوڈان ہی میں ہوئی ہوگی۔ جسمانی لحاظ سے سوڈان کے حبشیوں میں اپنی نسل کی پوری خصوصیات موجود ہیں اور اسی کے ساتھ وہ سب حبشیوں میں زیادہ تندرست اور خوبصورت بھی ہیں۔ تاریخ تمدن کی رو سے یہاں ٹوٹمی، مادری اور خانہ بدوش گلہ بانوں کی تہذیب کے عناصر اس قدر مخلوط ہیں کہ ابھی تک یہ نظریہ کہ یہاں اصلی تہذیب ٹوٹمی شکاری تہذیب تھی پوری طرح قابلِ وثوق نہیں ہے۔ بہر حال باؤمان سوڈان کے حبشیوں کو سب سے قدیم "اصلی نمونہ" سمجھتا ہے۔

اس ملک میں سب سے اہم قدیم حبشی ریاستیں حسب ذیل ہیں:۔

(۱) قوم اشانٹی کے علاقے میں بینن جہاں یروبا، مانفو اور مانڈگو قوموں نے ایک ترقی یافتہ سیاسی نظام قائم کیا۔ یہاں کا حکمراں طبقہ مادری تہذیب کا حامل تھا اور اس میں اور ملیبار کی نائر قوم اور جنوب مشرقی امریکا کی ناچ قوم میں بہت سی باتیں مشترک ہیں۔ ہوسہ جو افریقہ میں اسلامی تہذیب کا ایک مرکز ہے۔ کنوری، برنو (تساد جھیل کے علاقے) میں اور اڈا مئوا (جہاں کے مخروطی شکل کے مٹی کے بنے قلعے مشہور ہیں) بھی قابلِ ذکر ہیں۔ باگرمی میں گھوڑوں کی افزائش نسل نے بہت ترقی کی تھی۔ یہ ریاست وسطی سوڈان میں واقع تھی اور افریقہ میں جنوب کی طرف آخری جگہ تھی جہاں گھوڑے رکھے جا سکتے تھے۔ دریائے کانگو

کے دہانے پر اہلِ یورپ کے آنے سے پہلے بڑی بڑی ریاستیں قائم تھیں اور پرتگالی انگولا میں لندا ریاست بھی اسی سلسلے سے تعلق رکھتی تھی۔
اس کے بعد سب سے اہم غالباً وسطی افریقہ کا جنگلی علاقہ ہے۔ معاشی اعتبار سے یہاں جڑوں اور پھل دار درختوں کی کاشت کثرت سے ہوتی ہے۔ سوروں کا پالنا عام نہیں ہے۔ زیادہ تر فینگ، بنگالا وغیرہ قوموں میں پایا جاتا ہے۔ معاشرتی تنظیم میں مادری تہذیب کا رنگ موجود ہے مگر ہلکا ہے۔ اس کے ساتھ ٹوٹمی تہذیب کا رنگ ملا ہؤا ہے اور مرکزی علاقے میں بہت گہرا ہے۔ جیسا ہم نے چوتھے باب میں کہا تھا یہیں پر وہ بونے اب تک پائے جاتے ہیں جو اولین تہذیب کے حامل ہیں۔ ماموں کی اہمیت ان قوموں میں بھی تسلیم کی جاتی ہے جو مادری تہذیب سے تعلق نہیں رکھتیں۔ مردوں کی خفیہ انجمنوں اور بزرگوں کی پرستش کا زور ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ چاند اوتار کی قربانی کا پاکیزہ تصور مدت سے بگڑ کر انسانوں کی قربانی اور مردم خواری کی شکل اختیار کر چکا تھا جس کی مثالیں فینگ اور نیام نیام قوموں میں پائی گئیں۔
نیلوی زبانوں کے علاقے میں ایک نہایت قدیم تہذیب اب تک موجود ہے۔ ممکن ہے کہ جھیلوں کے خطے اور بالائی وادی نیل میں اس تہذیب کے باقیات پائے جاتے ہوں جس کا تعلق ایکرمان آسٹریلیا کی "بومیرانگ تہذیب" سے سمجھتا ہے اور شاید جنوبی ہند کے بعض جنگلی قبیلوں میں بھی یہی تہذیب باقی ہو۔ اس میں شک نہیں کہ جسمانی اعتبار سے نیلوی زبانیں بولنے والی قومیں زیادہ ترقی یافتہ حبشی نسل سے ہیں۔ ان کا قد لمبا بدن چھریرا اور بال گھونگھر والے ہیں لیکن جیسا کہ ہم دیکھ چکے

ہیں جسمانی حالت کا بہتر ہونا یہ ثابت نہیں کرتا کہ ان کی تہذیب بعد کی ہے۔ البتہ مویشی پالنے والی خانہ بدوش حامی قومیں جو ان کی ہمسایہ تھیں یا ان پر حملہ آور ہوئیں ان کے اثرات بعد میں پڑے۔

مشرقی افریقہ کے چٹیل میدانوں میں سوڈانی عناصر کے ساتھ خانہ بدوش حامی سامی مویشی پالنے والی قوموں اور گھُڑ چڑھی قوموں کے تہذیبی عناصر بھی شامل ہیں۔ مویشی پالنے والوں کے مخصوص اور ترقی یافتہ "اشرافی نظام" میں ایشیا اور بحر روم کی تہذیبوں کے اثرات مِل جُل گئے ہیں۔ اسلام، عبرانی مذہب اور عیسوی مذہب کو افریقہ کے اس حصے میں اس وقت سے اہمیت حاصل ہے جب ان مذاہب توحید کو وسطی یا شمالی یورپ میں کوئی جانتا بھی نہ تھا۔ فروبینس نے مشرقی افریقہ کی تہذیب کی دو قسمیں قرار دی ہیں ایک تو حبشی تہذیب۔ اس کی خصوصیت زراعت ہے اور تعجب یہ ہے کہ یہ پدری نظام معاشرت سے وابستہ ہے۔ دوسری حامی تہذیب، اس میں مویشیوں کا پالنا مادری نظام معاشرت سے وابستہ ہے اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں اس لیے کہ ہم دیکھ چکے ہیں کہ مویشی کا پالنا شروع میں کسی معاشی غرض سے نہ تھا بلکہ مذہبی مقصد سے اس لیے کہ ان کے سینگ ہلال سے مشابہ تھے۔ ممکن بلکہ اغلب ہے کہ سب سے پہلی حامی قومیں جنھوں نے مشرقی افریقہ پر حملہ کیا عراق عرب، وادی سندھ (موہنجو دارو وغیرہ) ایشیائے کوچک، قبل ملوکی مصر اور منوئی کریٹ کی شہری ریاستوں سے آئی تھیں۔ مویشیوں سے متعلق بعض رسمیں اور دودھ دوہنے کا طریقہ مشرقی افریقہ کی حامی قوموں (مثلاً ساسئی یا روانڈا) اور نیلگری پہاڑ کی ٹوڈا قوم میں مشترک

ہے اور اس سے ان کا باہمی تعلق تاریخ تمدن کے لحاظ سے ظاہر ہوتا
ہے۔ پھر اس بات سے کہ مویشی پر سوار ہونے کا ہندستان اور مشرقی افریقہ
دونوں میں رواج ہے اور گائے کا ہندستان میں مذہبی احترام کیا جاتا ہے،
اس خیال کی اور بھی تائید ہوتی ہے۔ یہاں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ
ٹوڈا قوم مشرقی افریقہ کی مویشی پالنے والی قوموں کے مقابلے میں
کہیں زیادہ قدیم اور ابتدائی تہذیب کی حامل ہے۔ پھر بھی یہ ممکن بلکہ
اغلب ہے کہ دونوں پر ایک ہی مویشی پالنے والی مادری تہذیب کا اثر
پڑا ہو باوجود اس کے کہ ٹوڈا قوم ایک بالکل ابتدائی چھوٹی سی جماعت
تھی جس نے نیلگری پہاڑوں میں آکر پناہ لی اور حامی اقوام فتح مند
حکمراں قومیں تھیں۔

مشرقی افریقہ کے اس اہم خطے کی تاریخِ تمدن کا حسب ذیل خاکہ
قرین قیاس سمجھا جا سکتا ہے:۔

(۱) سب سے قدیم تہذیب غالباً ٹوٹی شکاریوں کی ہے۔ اس سے ملتا
جُلتا ایک عنصر ہمیں شمالی افریقہ میں سوڈان کی دیہی اور شہری ریاستوں
میں نظر آیا تھا۔ نسل کے لحاظ سے یہ لوگ حبشی ہیں اور ان میں سے
کچھ تیلوی خطّے کی ان نسلوں سے تعلق رکھتے ہیں جو حبشیوں سے
پُرانی ہیں۔

(۲) ایک ترقی یافتہ مویشی پالنے والی قوم کی تہذیب جس پر مادری
معاشرت کا رنگ غالب ہے۔ یہ دو عناصر سے مرکب ہے۔ ایک بدیسی
یعنی مشرق قریب کا دوسرا دیسی یعنی وسطی افریقہ کا۔ نسل کے اعتبار
سے اس قوم میں حبشیوں اور ایشیائی حاملوں کا میل ہے۔

(۳) مشرق قریب اور مصر کی بڑی بڑی ریاستوں اور سلطنتوں کے اثرات جن سے حبش، کا فنتشیو اور دوسری ریاستوں کی بنیاد پڑی۔ تہذیب کی دو لہریں شمال سے آئیں یعنی مشرق قریب، مصر اور بالواسطہ ہندستان سے اور ایک لہر جنوب سے یعنی زمباوے مونومٹاپا اور دوسری سوڈانی حبشی ریاستوں سے آکر مل گئی۔ آیا ان ریاستوں پر وادی سندھ کی قبل آریائی تہذیب کا بلا واسطہ اثر پڑا یا بالواسطہ مشرقی افریقہ کے ذریعے سے یہ جدید علم الاقوام کا ایک دلچسپ مسئلہ ہے جو ابھی تک حل نہیں ہوا۔

مشرقی افریقہ کی مویشی پالنے والی قوموں کا اثر بانٹو زبان کے علاقے سے ہوتا ہوا (جہاں حامی زبانیں بولنے والی وہیما اور واتوسی قومیں موجود ہیں) جنوبی افریقہ تک پہنچا جہاں ہیرو، زولو اور کافر قومیں ان مویشی پالنے والوں کی اشرافی تہذیب کی وارث ہیں۔

وانڈروکو، کنڈیگا اور سنڈاوی قوموں نے اپنے وطن میں، جہاں پہنچنا دشوار ہے نہایت قدیم تہذیب کے عناصر اب تک محفوظ رکھتے ہیں۔

قبل اس کے کہ افریقہ سے رخصت ہو کر کسی اور براعظم کی تمدنی کیفیت پر نظر ڈالیں چند الفاظ اس مسئلے پر کہہ دینا نامناسب نہ ہوگا کہ حبشی قوم کی مخصوص حیثیت نوع انسانی میں کیا ہے۔ اگرچہ اس کی وجہ سے ہمیں طبیعی علم الانسان کی سرحد میں قدم رکھنا پڑے گا، لیکن یہ مسئلہ تاریخ تمدن کے بنیادی مسائل سے اس قدر وابستہ ہے کہ اگر تھوڑی دیر کے لیے ہم اصل موضوع سے ہٹ کر اس پر نظر ڈالیں

توکوئی حرج نہیں ہے۔

جو حضرات جبشیوں سے سخت تعصب رکھتے ہیں ان کے نزدیک بارہ کروڑ حبشی اور مخلوط النسل حبشی نما سب کے سب بالکل ابتدائی قسم کے نیم انسان ہیں۔ وہ انھیں غیر متمدن وحشیوں کی حیثیت سے دکھاتے ہیں جو اعلائے تہذیب وتمدن تک پہنچ ہی نہیں سکتے۔ سچ پوچھیے تو ان کی نظر میں یہ حبشی انسانوں کے بہ نسبت بندروں سے زیادہ قریب ہیں۔

اب یہ دیکھنا ہے کہ علمی تحقیقات اس بارے میں کیا کہتی ہے۔ سب سے پہلے تو یہ بات قابلِ غور ہے کہ جبشیوں کی تحقیر اور ان کے خلاف تعصب کوئی بہت پرانی چیز نہیں، ارسطو نے جبشیوں کے متعلق کہا ہے کہ وہ شریف خوبصورت اور ہر اعتبار سے قابلِ انسان ہیں جو جنوبی افریقہ میں رہتے ہیں۔ اہلِ روما اپنی حبشی رعایا اور دوسری نسل کے لوگوں میں کوئی فرق نہیں کرتے تھے اور اہلِ مصر بھی انھیں حقارت کی نظر سے نہیں دیکھتے تھے۔ اسلام کے قرونِ اولےٰ میں جبشیوں کی خاص طور پر عزّت کی جاتی تھی اور آں حضرت نے تاکید فرمائی تھی کہ جبشیوں سے اور دوسری غیر عرب اقوام سے تعصب نہ رکھا جائے۔ قرونِ وسطیٰ میں بلکہ اس کے بعد بھی جبشیوں کو اٹلی، ویئنا اور سینٹ پیٹربرگ وغیرہ کے درباروں میں بڑی اہمیت حاصل تھی۔

جبشیوں سے نفرت کا دور بردہ فروشی کے زمانے سے شروع ہوتا ہے اور یہ ان بے گناہ مظلوموں کی نہیں بلکہ ظالم بردہ فروشوں کی تاریخ میں ایک شرمناک دھبا ہے جو ہٹائے نہیں مٹ سکتا۔ مگر دنیا میں اکثر

یہی ہوتا ہے کہ شکست خوردہ قوموں پر ظلم بھی کیا جاتا ہے اور پھر وہ شکست کھانے اور ظلم اور ذلّت برداشت کرنے کی وجہ سے حقیر بھی سمجھی جاتی ہیں۔ سچ پوچھیے تو اس میں مفتوحوں سے زیادہ فاتحوں کا کمینہ پن ظاہر ہوتا ہے مگر انسانی فطرت عموماً اخلاق اور انصاف کی پروا نہیں کرتی اور حق کے قانون کے بجائے طاقت کے قانون کو مانتی ہے۔

غرض خود یہ بات کہ حبشیوں کی تحقیر اس وقت سے شروع ہوئی جب سترھویں اٹھارویں صدی میں افریقہ سے حبشی غلام بنا کر امریکا بھیجے جانے لگے اس پر دلالت کرتی ہے کہ انھیں حقیر سمجھنے کی کوئی معقول وجہ نہیں بلکہ یہ محض تعصب ہے۔ لیکن یارانِ طریقت نے ڈارون کے نظریے سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ حبشیوں کی قوم ایک نیم وحشی قوم ہے جو انسانوں کے بہ نسبت جانوروں سے زیادہ قریب ہے۔ ان کے چہرے کے نچلے حصے کا زیادہ چوڑا ہونا اور ان کے رنگ کا سیاہ ہونا بھی دو بڑی دلیلیں ہیں جو ان کے بندروں سے مشابہ ہونے کے ثبوت میں پیش کی جاتی ہیں۔

بہ خلاف اس کے بے لاگ علمی تحقیقات سے یہ حیرت انگیز انکشاف ہوا ہے کہ جسمانی حیثیت سے فروتر اور جانوروں سے قریب تر ہونا تو درکنار حبشی نسل اور بہت سی نسلوں سے کہیں زیادہ مخصوص انسانی خد و خال رکھتی ہے۔

اس سلسلے میں ہمیں جن حقائق کی طرف توجہ دلانا ہے وہ نہ تو نئے ہیں اور نہ علم الانسان، حیوانیات یا عضویات کے کسی ماہر کو ان میں ذرا سا بھی شبہہ ہو سکتا ہے۔ لیکن جو نتائج ان سے نکلتے ہیں وہ یورپ اور

امریکا کی عام رائے سے اس قدر مختلف ہیں کہ کسی کو ان کی طرف توجہ دلانے کی جرات نہیں ہوتی۔

ایک بنیادی چیز جو انسان کو بندروں سے ممتاز کرتی ہے یہ ہے کہ وہ سیدھا کھڑا ہو سکتا اور چل سکتا ہے اور اتنی بڑی کھوپری یعنی ہڈیوں کے اس خول کا جس میں دماغ محفوظ رہتا ہے۔ توازن قائم رکھ سکتا ہے اگر انسان میں یہ قابلیت نہ ہوتی تو بغیر جسم کے توازن میں خلل ڈالے اس کا دماغ اتنا بڑا نہیں ہو سکتا تھا۔ چنانچہ سیدھے کھڑے ہو کر جسم کے توازن کو قائم رکھنا انسان کی مخصوص صفت ہے جو جانوروں میں نہیں ہوتی۔ یہ قابلیت انسانی ڈھانچے کی دو خصوصیتوں پر منحصر ہے ایک تو ریڑھ کی ہڈی کا لوچ اور لچک جس کے بغیر چلنے میں سر اور پیٹھ ہر قدم پر زور زور سے ہلتی ہے اور دوسرے ٹانگوں کے اوپر کے حصے کا نچلے حصے سے لمبا ہونا۔ ٹانگوں کی یہ ساخت جو بندر اور دوسرے دودھ پلانے والے جانوروں سے بالکل مختلف ہے نہ صرف ظاہری حیثیت سے انسان کو دوسرے جانوروں سے ممتاز کرتی ہے بلکہ ریڑھ کی ہڈی کی طرح انسان کو سیدھا کھڑے ہونے میں اور بالواسطہ دماغ کی ترقی میں مدد دیتی ہے۔

جسم انسانی کی یہ خصوصیات دوسری انسانی نسلوں کے مقابلے میں حبشیوں میں زیادہ نمایاں ہیں۔ ان کی ریڑھ کی ہڈی میں قدرتی لچک ہوتی ہے اور ان کی ٹانگوں کا اوپر کا حصہ مقابلتہً بہت لمبا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنی خوشنما چال اور دلکش ناچ کے لیے مشہور ہیں۔ اس سلسلے کی تیسری مثال حبشیوں کے ہونٹوں کا ابھار ہے۔ جانورو

کے جن میں معمولی بندر اور انسان نما بندر بھی شامل ہیں، ہونٹ نہیں ہوتے بلکہ معمولی کھال مُنہ تک پہنچتی ہے۔ منہ کے گرد ایک کنارے کا ہونا، جو بدن کا ایک مستقل حصہ ہے، الگ حرکت کر سکتا ہے اور خاص طور پر زود حِس ہے، جسم انسانی کی ایک خصوصیت ہے اور یہ بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ اس لیے کہ بہت سے حروف صحیح اور حروف علت کے تلفظ میں اس سے مدد ملتی ہے۔ اس لیے ہونٹ انسان اور جانور کے جسم کا ایک بنیادی فرق ظاہر کرتے ہیں اور یہ فرق بھی دوسروں کی بہ نسبت حبشیوں میں زیادہ نمایاں ہے۔ ایلٹ اسمتھ نے اس سلسلے میں بالوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ یورپ اور آسٹریلیا کے لوگوں کے بال کو بیچ سے کاٹ کر خوردبین سے دیکھا جائے تو بیضوی شکل نظر آتی ہے، "حبشیوں کے بال کی فیتے سے مشابہ ہوتی ہے اور منگولیوں کے بالوں کی قریب قریب گول"، [۱۲]
ایلیٹ اسمتھ آگے چل کر کہتا ہے کہ اس لحاظ سے یورپ اور آسٹریا والے گوریلا اور چمپانزی سے مشابہ ہیں اور حبشیوں اور منگولیوں کے بال کئی لحاظ سے ترقی یافتہ ہیں .... بال حبشیوں کی سب سے نمایاں خصوصیت ہے .... اور انھیں پہچاننے کے لیے سب سے زیادہ قابل وثوق علامت ...... بھووں کا چھجا خاص طور پر چھوٹا ہوتا ہے ...... آسٹریلوی اور نیاندرتھالی نسلوں میں یہ بہت بڑھا ہوا ہوتا ہے ..... لیکن حبشیوں میں یورپیوں سے بھی کم نمایاں ہوتا ہے ..... حبشیوں کی ہڈیاں بھی خاص قسم کی ..... زیادہ گنجان اور نرم ہوتی ہیں ..... اور ان کی بناوٹ ہاتھی دانت کی سی ہوتی ہے"
"بالوں کی حیرت انگیز کمی" بھی انسان کی خصوصیت ہے جو اسے انسان نما

بندر سے ممتاز کرتی ہے۔[ٹھ] ان سب باتوں کا ذکر کرنے کے بعد بھی ایلیٹ اسمتھ حبشیوں کو " بالکل ابتدائی انسان " کہتا ہے " جو بعض باتوں کے لحاظ سے بہت ترقی یافتہ ہیں "۔ جسمانی حیثیت سے ابتدائی چیز حبشیوں کے جسم میں صرف یہ ہے کہ ان کے چہرے کا نچلا حصہ آگے کو نکلا ہوا ہے لیکن اس کی کوئی اہمیت نہیں اس لیے کہ اس کے دماغ کے چھوٹے بڑے ہونے پر کچھ اثر نہیں پڑتا۔ بعض حبشی قوموں کے دماغ کا چھوٹا ہونا البتہ ان کے ابتدائی ہونے پر دلالت کرتا ہے لیکن ممکن ہے کہ یہ انحطاط کا نتیجہ ہو۔ دوسری چیز یہ ہے کہ وہ تہذیب کی بعض باتوں میں بہت پیچھے ہیں لیکن یہ بھی کسی فطری نقص کی بنا پر نہیں جو دور نہ ہو سکتا ہو۔ اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ وہ حقیقی معنی میں " ابتدائی " ہیں بلکہ یہ ہے کہ ان کا مسکن وسطی افریقہ دنیا سے الگ تھلگ ہے، بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ جہاں صحرائے اعظم واقع ہے اس خطے کے خشک اور اُجاڑ ہونے کے بعد ان کا تعلق دنیا کے اور حصوں سے منقطع ہو گیا ہے۔ یہ تاریخ تمدن کی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ہر قوم جو اور انسانوں سے قطع تعلق کر لیتی ہے اس تہذیب اور تمدن میں انحطاط شروع ہو جاتا ہے۔ اس کی بہت سی مثالوں میں سے ایک آسٹریلیا کے اصلی باشندوں کی حالت اور دوسری مثال دیوار چین کی تعمیر کے بعد چینیوں کا تنزل ہے۔ اگر حبشی تہذیب کے لحاظ سے " ابتدائی " یعنی تمدن کی بلندی پر پہنچنے اور تہذیب تخلیقی کے کام انجام دینے کے ناقابل ہوتے تو وہ زبردستی امریکا لائے جانے کے بعد اتنی تھوڑی سی مدت میں امریکی تہذیب کو جذب نہ کر لیتے۔ لوگ اس بات کو

نہیں سمجھتے کہ امریکا کے حبشیوں نے جو کچھ کر دکھایا اس کے لیے کتنی زیادہ ذہانت، قوتِ عمل اور قوتِ تخلیق کی ضرورت تھی۔ جب وہ امریکا میں آئے تھے تو بالکل قلاش غلام تھے اور انھیں اس کا موقع نہیں دیا گیا کہ اپنی تہذیب اور تمدن کو محفوظ رکھیں۔ مختلف زبانیں بولنے والے غلام خاص کر کے ساتھ رکھے گئے تاکہ وہ صرف یورپی زبانوں میں باہم گفتگو کر سکیں۔ ان سب نے عیسوی مذہب اختیار کر لیا اور اس طرح اپنی رسوم اور روایات سے بالکل بے تعلق ہو گئے۔ انھیں سرمایہ اکٹھا کرنے بلکہ لکھنا پڑھنا سیکھنے تک کی ممانعت تھی۔ لیکن انھوں نے تین سو سال سے بھی کم میں بہت سی اعلیٰ درجے کی یونیورسٹیاں، کالج، سکول، اسپتال، تھیٹر، زراعتی اور مالی ادارے قائم کر لیے اور امریکا کی تہذیب، ادب، موسیقی اور علوم و فنون میں قابل قدر اضافہ کیا۔ ریاست ہائے متحدہ امریکا کے پیٹنٹ آفس میں جو ایجادیں درج کی جاتی ہیں ان میں حبشیوں کی ایجادوں کی تعداد "گوروں" کی ایجادوں سے زیادہ ہوتی ہے۔ اور یہ سب ان مشکلات کے باوجود ہے جو نسلی تعصب کی وجہ سے حبشی مردوں اور عورتوں کو معقول تعلیم پانے اور اپنی معاشی اور معاشرتی حالت سدھارنے میں پیش آتی ہیں۔ اگر حبشی "بالکل ابتدائی" یعنی غیر متمدن ہوتے جیسے کہ وہ افریقہ کے بعض حصوں میں سطحی نظر سے دیکھنے والوں کو معلوم ہوتے ہیں تو وہ ہرگز اتنی کامیابی نہ حاصل کر سکتے۔ امریکہ کے "سرخ ہندیوں" کو اتنی مشکلات کا سامنا نہیں تھا۔ ان کے پاس ذاتی سرمایہ تھا اور ان کی روایات اور زبان کو یورپیوں کے حملوں نے بالکل برباد نہیں کر دیا تھا۔ پھر بھی انھوں نے امریکی حبشیوں کے برابر ترقی نہیں کی۔ یہ ابھی تھوڑے دن کی بات ہے کہ امریکی حکومت کی عنایت

سے سیوکس، اردکواس ہورن اور دوسری دیسی قوموں میں سے بعض اپنی سابقہ خوشحالی اور اپنی کھوئی ہوئی تہذیب دوبارہ حاصل کرنے اور اسے امریکی تمدن کے ساتھ سمو کر ترقی دینے کے قابل ہوئی ہیں۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ افریقہ کے اکثر حبشیوں کی تہذیب کا ابتدائی حالت میں ہونا ان کے کسی خلقی نقص کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اس کا سبب یہی ہے کہ جب سے صحرائے اعظم کا علاقہ خشک اور اُجاڑ ہوگیا وہ دنیا سے بے تعلق رہے اور یہ حالت اس وقت تک باقی رہی جب نو آباد یورپیوں اور بردہ فروشوں نے حبشیوں کی بعض قوموں کو دوسرے انسانوں سے مِلنے جُلنے کا موقع دیا۔ اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ افریقہ کے جن حصوں پر بیرونی اثرات پڑتے رہے وہاں حبشیوں نے اپنی تہذیب کو بہت کچھ ترقی دی۔ اس کی مثالیں ہم مشرقی افریقہ (حبش) کی ریاستوں اور سلطنتوں اور سوڈان کی دیہی اور شہری ریاستوں کے ذکر کے سلسلے میں دے چکے ہیں۔

اب صرف ایک دلیل باقی رہ گئی جو حبشیوں کے "ابتدائی" ہونے کے ثبوت میں دی جاتی ہے یعنی ان کے رنگ کا کالا ہونا۔ یہ بھی علمی تحقیق پر نہیں بلکہ تعصب پر مبنی ہے۔ قریب قریب سب محقق اس بات پر متفق ہیں کہ اصل میں سب انسانوں کا رنگ کالا تھا۔

بیرن آئک اشٹیٹ اور بہت سے اور علم الانسان کے ماہروں کی یہ رائے ہے کہ برفانی عہد میں جو لوگ شمال یورپ میں رہتے تھے ان کا رنگ سیاہ سے سفید ہوگیا[۹] یہ انسانی ارتقا کا کوئی ضروری یا اہم مرحلہ نہیں ہے۔ جلد کا رنگ سفید ہونے سے نہ تو انسان کی کسی خاص قابلیت

مثلاً سیدھا کھڑا ہونے، الفاظ کا تلفظ کرنے، دماغ کو ترقی دینے میں مدد ملتی ہے اور نہ یہ انسان اور حیوان میں مابہ الامتیاز ہے جیسے بدن پر بالوں کا نہ ہونا یا ہڈیوں اور سر کے بالوں کی ایک مخصوص ساخت۔ کیونکہ بعض سفید رنگ والوں یعنی یورپیوں نے بہت سے ایسے ملکوں کو جن میں اور رنگ کے لوگ رہتے تھے فتح کر لیا اس لیے ان ملکوں میں گورا رنگ حکمراں طبقے کی نشانی سمجھی جانے لگی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ کالا رنگ گرم ملکوں میں سورج کی صحت بخش شعاعوں کو جذب کرنے اور گرمی برداشت کرنے کی صلاحیت گورے رنگ سے زیادہ رکھتا ہے۔ جہاں تک خوبصورتی کا تعلق ہے ہم دیکھ چکے ہیں کہ قدیم مصر اور یونان وغیرہ کی عظیم الشان تہذیبوں کے بانی کالے رنگ کو ہرگز ناپسند نہیں کرتے تھے اور آج بھی ہم یہ دیکھتے ہیں کہ بے تعصب یورپی قدرتی کالے رنگ کی چمک کو جو زندگی کی علامت اور سورج کے فیض کی نشانی ہے پھیکے گورے رنگ سے زیادہ پسند کرتے ہیں۔ دھوپ کھانے اور کھلی ہواؤں میں کھیلنے کودنے کا اتنا زیادہ شوق اس بات کا ثبوت ہے۔ کسی منطقی دلیل کی بنا پر نہیں بلکہ محض اس لیے کہ پچھلے دو تین سو سال سے حبشی جن کا رنگ سیاہ ہے غلام بنے ہوئے ہیں، کالا رنگ بُرا سمجھا جانے لگا۔ اگر تاریخ پلٹا کھائے اور کالے اور سانولے رنگ کی قوموں کو اپنی تہذیب کو نشو و نما دینے اور اپنی ریاستیں قائم کرنے کا موقع ملے جیسا کہ وہ پہلے ہزارہا سال تک کر چکے ہیں تو اغلب ہے کہ انسان کے رنگ کے بارے میں ہماری رائے پھر بدل جائے گی۔

افریقہ کی تاریخ تمدن اور دوسرے حالات کا خلاصہ ہم یوں بیان

کر سکتے ہیں کہ افریقی قوموں کو ایک بے ثمر زندگی اور تنزل کے دور سے
گزرنا پڑا حالانکہ سارے بنیادی تہذیبی عناصر کے مناسب امتزاج کی وجہ
سے ان میں ایک اعلے تمدن کی صلاحیت موجود ہے جس کی توقع آیندہ
زمانے میں، جب افریقہ جدید عالمگیر تہذیب کے حلقے میں آجائے گا
کی جا سکتی ہے۔
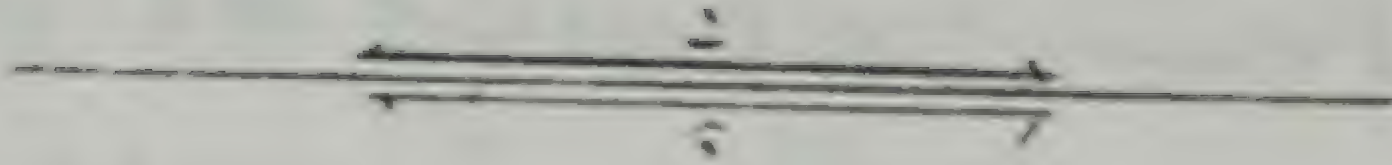
گیارھواں باب
شمالی امریکا کی کیفیت
تاریخ تمدن کے لحاظ سے

"نئی دنیا" کا خطّہ بہت دور ہے اور اس کے مسائل بالکل الگ ہیں اس لیے اسے ایشیا خصوصاً ہندستان کی موجودہ تہذیبوں سے اتنا تعلق نہیں جتنا افریقہ کو ہے۔ اس لیے ہم اس کی تاریخ تمدن کے اہم ترین واقعات کو بیان کرنے میں انتہائی اختصار سے کام لیں گے۔ پھر بھی ہمیں یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہیے کہ یورپیوں کے آنے سے پہلے جو قومیں امریکا میں آباد تھیں وہ ایشیا سے آئی تھیں اور ان کی تہذیب کی بنیاد بھی ایشیائی تھی۔ ایشیا سے امریکا کو ہجرت دو راستوں سے ہوئی۔ ایک تو کام چاٹکا کی طرف سے جو سائبیریا کے شمال مشرقی گوشے میں واقع ہے۔ یہ کسی زمانے میں خشکی کے ایک پتلے سے ٹکڑے کے ذریعے سے کناڈا سے جڑا ہوا تھا مگر کوئی دو ہزار سال سے بحر بیرنگ نے بیچ میں حائل ہو کر اسے کناڈا سے الگ کر دیا ہے۔ ایشیا والے کئی ہلّوں میں امریکا گئے ہوں گے اور وہ مختلف تہذیبی دائروں سے تعلق رکھتے ہوں گے۔ سب سے پہلے اولین تہذیب کے حامل پہنچے ہوں گے پھر ترقی یافتہ ٹوٹمی اور مادری تہذیب کے حاملوں نے جا کر انھیں دو مختلف

سمتوں میں ہٹا دیا ہوگا۔ اولین تہذیب کے باقیات شمالی امریکا میں اب تک موجود ہیں جیسا کہ ہم چوتھے باب میں دیکھ چکے ہیں۔ شمالی امریکا کے شمالی حصے میں الگونکن اور ایک حد تک اسکیمو اور جنوبی امریکا کے جنوبی سرے پر یمانا، ہلاکولوپ اور سیکلونم اس کے نمونے پیش کرتے ہیں۔ ایشیائی قوموں کی ہجرت کا دوسرا راستہ مکرونیشی، ملانیشی، پولی نیشی اور ایسٹر جزائر کا سلسلہ تھا۔ ایسٹر جزائر قریب سے قریب پولی نیشی جزیرے کے بہ نسبت امریکا کے ساحل سے زیادہ قریب ہیں۔ یہ امر مسلّم ہے کہ ایسٹر جزائر میں ایسے لوگ آباد تھے جو جنوب مشرقی ایشیا سے آئے تھے۔ ان کی تہذیبی لسانی اور نسلی خصوصیات اور ان کے طرز تعمیر ان سب چیزوں سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ایشیا سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ایشیائی جہازراں ضرور ان چھوٹے چھوٹے جزیروں تک پہنچ گئے تھے جو پولی نیشی جزائر کے سلسلے سے دور اور وسطی امریکہ کے ساحل سے قریب ہیں۔ اس لیے یہ قیاس بے جا نہ ہوگا کہ کم سے کم کچھ جہازراں جزائر ایسٹر کے بحری مرکز سے وسطی امریکا تک پہنچے۔ اس فرضیے کی تائید تاریخ تمدن کے بہت سے واقعات سے ہوتی ہے جو اس پر دلالت کرتے ہیں کہ عہد متاخر میں ایشیائی تہذیب و تمدن کی ایک لہر زیادہ تر وسطی امریکا کی ترقی یافتہ شہری ریاستوں میں اور اس کے علاوہ امریکا کے شمال مغربی ساحل تک پہنچی تھی۔ یہ تہذیبی عناصر یا تو مصر کی تہذیب سے مشابہت رکھتے ہیں یا ہندستان کی تہذیب سے اور یہ دونوں تہذیبیں امریکا کے بلند درجے پر فائز تھیں۔ مخروطی شکل کی عمارتیں اور پردار دیوی کے بُت مصری اثرات کو ظاہر کرتے ہیں اور بہت سی فنی خصوصیات، دیومالا کی شکلیں اور

سب سے بڑھ کر ریاضی میں صفر کا تصوّر ہندستانی اثرات کا پتہ دیتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ اثرات اُس زمانے میں پڑے ہوں گے جب مصر اور ہندستان میں اعلےٰ درجے کی ترقی یافتہ تہذیبیں موجود تھیں یعنی جب وادی سندھ میں مہنجوداڑو کی شہری ریاستوں کا دور دورہ تھا اور مصر میں غالباً قبل ملوکی تہذیب کا آخری دور تھا۔ لیکن ایسا نہیں معلوم ہوتا کہ یہ اثرات مصر یا ہندستان سے براہ راست ہجرت کے ذریعے سے امریکا تک پہنچے۔ بلاواسطہ تعلقات کی کوئی شہادت موجود نہیں۔ اس لیے ہمارا خیال ہے کہ مہنجوداڑو اور قدیم مصر کے تہذیبی عناصر تجارت یا چند افراد کی آمدورفت کے ذریعے سے جنوب مشرقی ایشیا کے ان جہازرانوں کے آباو اجداد تک پہنچے ہوں گے جنھوں نے بہت بعد میں پولی نیشی جزائر پر حملہ کیا۔ اور پھر ان کی اولاد بہت مدّت کے بعد امریکا آئی اس لیے قیاس یہ کہتا ہے کہ قبل آریائی ہندستان اور قبل ملوکی مصر کے تہذیبی عناصر اور اثرات وسطی امریکا میں عہد متاخر میں یعنی ہندستان اور مصر کی ان قدیم تہذیبوں کے برباد ہو چکنے کے سینکڑوں سال بعد پہنچے۔ اس خیال کی تائید میں ہم یہ واقعہ پیش کر سکتے ہیں کہ اس دوسری ترقی یافتہ قوموں کی ہجرت کے نسلی یا لسانی آثار امریکا میں باقی نہیں رہے حالانکہ امریکا کے "اصلی" باشندوں کا تعلق ابتدائی منگولی نسل سے اب تک صاف ظاہر ہوتا ہے اور یہ بتاتا ہے کہ بہت قدیم زمانے میں مشرقی ایشیا کے لوگ بڑی تعداد میں امریکا آئے تھے۔

آج کل قریب قریب سارے شمالی امریکا میں وہ قومیں آباد ہیں جو یورپ سے ہجرت کر کے آئی تھیں۔ وہ لوگ جو "سرخ ہندی" یا "اصلی

امریکی" کہلاتے ہیں (اصل میں یہ دونوں نام غلط ہیں۔ یہ نہ تو ہندی ہیں اور نہ اصلی امریکی بلکہ منگولی نسل کے ہیں) صرف چند "محفوظ علاقوں" میں نہ گئے ہیں۔ مگر یہ بھی ان کے اصلی گھر نہیں ہیں۔ انھیں اپنی جگہ سے مٹ کر ایسے مقامات پر جانا پڑا جہاں وہ اپنی معاشی اور معاشرتی رسوم کو قائم نہیں رکھ سکتے تھے۔ اس کے علاوہ سیاحوں وغیرہ کی آمد و رفت، عام لوگوں کا انتہائی افلاس اور جن اشخاص کی زمین میں پیٹرول نکل آیا ان کا یکایک امیر ہو جانا ان سب چیزوں کی بدولت وہ اپنی اصلی تہذیب کو کھو بیٹھے۔ لیکن ان "محفوظ علاقوں" کی کچھ قومیں جن کے متعلق اب سے بیس برس پہلے یہ خیال تھا کہ اپنی تعداد کے مسلسل کم ہونے اور اپنے ماحول سے مطابقت نہ پیدا کر سکنے کی وجہ سے فنا ہو جائیں گی اب سنبھل گئی ہیں۔ ان کی تعداد بڑھ رہی ہے، انھوں نے جدید تعلیم حاصل کر لی ہے، نئے پیشے اختیار کر لیے ہیں اور اپنی دولت سے فائدہ اٹھانا سیکھ لیا ہے۔ غرض ایک نئی زندگی شروع کر دی ہے۔ خصوصاً آج کل کی سیوکس، ہرن اور اروکواس قومیں خصوصاً میکسیکو میں انہ ٹیک قوم کی اولاد جو اسپینوں سے شادی بیاہ کے ذریعے مِل جُل گئی ہے ایک روشن نسلی اور تہذیبی مستقبل رکھتی ہے۔ یہ مستعد اور ذہین قومیں ہیں اور ان میں سے بعض بہت خوبصورت ہیں۔ مگر یہ امریکا کی جدید "مشینی تہذیب" میں ڈوبی ہوئی ہیں۔ اس لیے ہم اپنے مختصر بیان میں شمالی امریکا کی موجودہ حالت سے بحث نہیں کریں گے بلکہ صرف ان جغرافی، معاشی، خاص کر تہذیبی (اور لسانی) حالات سے جو گزشتہ تین صدیوں میں یورپیوں کے ریلے سے پہلے پائے جاتے تھے۔

جغرافی اور سابق تہذیبی خطّے

(۱) بحر منجمد شمالی کے قریب ٹونڈروں[1] کا خطّہ جو شمالی کناڈا اور الاسکا کے ساحل کے ساتھ ساتھ چلا گیا ہے۔ یہ ایک پس ماندہ تہذیبی خطّہ ہے جہاں تہذیب کی پُرانی شکلیں جو اوّلین تہذیب سے ملتی جلتی ہیں اب تک باقی رہ گئی ہیں۔ آبادی میں ایک اہم عنصر اسکیمو قوم کا ہے اگرچہ ان پر یورپیوں کے زمانے سے پہلے سائبیریا کی طرف سے مادری تہذیب کے اثرات اُس سے زیادہ پڑے جتنے الگونکن قوم پر پڑے تھے۔ آخرالذکر کناڈا میں رہتی تھی۔ اس کا کچھ حصہ جنگلی علاقے میں آباد تھا اور کچھ جنوب کی طرف ہٹ کر بیہڑ علاقے میں لیکن اس کا اثر انتہائی شمال تک پہنچتا تھا۔ اس شمالی خطّے میں دو ابتدائی تہذیبوں میں فرق کرنا چاہیے۔ اگرچہ یہ دونوں اولین تہذیبی دائرے سے تعلق رکھتی تھیں اور دونوں کو بہت تھوڑے سے سامان سے جو انھیں میسر آتا تھا بہت عمدہ ہتھیار اور اوزار بنانے میں خاص مہارت تھی۔ یہ دو تہذیبی طبقے جن کا ذکر ہم چوتھے باب میں کر چکے ہیں حسب ذیل ہیں:۔

(الف) برف کے سوراخوں میں شکار کرنے والے۔

(ب) برف پر چلنے کے جوتے پہن کر شکار کرنے والے۔ آخرالذکر میں زیادہ نمایاں ڈین قوم ہے لیکن اس کا اصلی گھر اس سے متصل خطّے میں ہے جس کا ذکر اب آتا ہے۔

---

[1] ٹونڈرا شمالی امریکا کے اس میدان کو کہتے ہیں جس میں کائی اُگی ہوتی ہے۔ اور اکثر دلدل بھی پائی جاتی ہے۔

(۲) کناڈا کا جنگلی خطہ۔ یہاں برف پر چلنے کے جوتے اور پالتو کتّے کے ذریعے سے ایک خاص طرز کا شکار ہوتا تھا۔ اگرچہ معاشی حیثیت سے اور اوزار وغیرہ کے اعتبار سے شکاری ڈرینوں (اٹاپاسکوں) اور الگونکن قوم کا وسیع علاقہ قریب قریب ہم رنگ ہے لیکن ان کی مختلف جماعتوں کی مفصل تحلیل کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مختلف تہذیبی طبقے ایک دوسرے کے بعد گزرتے رہے ہے خصوصاً جنوبی حصے میں۔ جنگلی علاقے کا مشرقی حصہ ٹوٹی سیوکس قوم کا گھر تھا مگر پھر مادری اروگواس قوم نے آکر اسے مغرب کی پہاڑوں میں ہٹا دیا۔ سیوکس قوم سولھویں صدی عیسوی ہی میں گھوڑا یورپیوں سے لے چکی تھی۔ وہ اسے سواری اور بار برداری کے لیے استعمال کرتی تھی لیکن اس نے ان معاشرتی، مذہبی رسوم کو اختیار نہیں کیا جو عموماً گھوڑے کی سواری سے وابستہ ہوتی ہیں گو ان کے عناصر خود ان کی تہذیب میں بھی موجود تھے۔ امریکہ والے یورپیوں کے آنے سے پہلے گھوڑے سے واقف نہیں تھے۔ لیکن ابتدائی دور حیات کے طبقوں کی کھدائی سے معلوم ہوتا ہے کہ جنگلی گھوڑا افریقہ میں موجود تھا۔ یہ معلوم نہیں کہ وہ کیونکر فنا ہو گیا۔

(۳) **شمال مغربی ساحل**۔ یہ ایک چھوٹا سا علاقہ ہے لیکن تاریخ تمدن کے نقطہ نظر سے کئی لحاظ سے اہمیت رکھتا ہے۔ یہ قبل یورپی شمالی امریکا کے تین مادری تہذیب کے مرکزوں میں سے ایک تھا جہاں زراعت بھی ہوتی تھی اگرچہ غیر اہم چیزوں مثلاً تمباکو وغیرہ کی اس علاقے کے قبیلے تلنکٹ ہیڈہ، سیمپتی کواکیوٹل اور سلیش ہیں۔ "ٹوٹمی کھمبے" جن پر عموماً جانوروں کی تصویریں ایک دوسری سے ملی ہوئی کھدی ہوتی ہیں؛ اور خم دار

لکیروں کا ایک خاص آرائشی طرز جس کا اس علاقے میں رواج ہے شمال مغربی امریکا اور نیوزی لینڈ کی مادری قوم کے تعلقات کو ظاہر کرتا ہے۔ اس سے بھی زیادہ گہرا تعلق شمال مغربی امریکا کی قوموں کو جنوب مغربی ایشیا اور بحر جنوبی کی میگالیتھی تہذیب ہے۔ میگالیتھی روایات کے مطابق، جیسا کہ ہم اوپر دیکھ چکے ہیں، جو شخص سماج میں بلند درجہ حاصل کرنا چاہتا ہے اسے املاک برباد کرنی پڑتی ہے اور قربانیاں دینی پڑتی ہیں۔ املاک کی بربادی میں باہمی مقابلہ شمال مغربی افریقہ کے پوٹلاک تیوہار کی ایک خصوصیت ہے۔ اسی قسم کی رسوم جنوب مشرقی ایشیا اور بحر جنوبی کی میگالیتھی قوموں اور ہندستان کے قدیم آریوں کے ہاں بھی نظر آتی ہیں۔ مثلاً مویشیوں کی اور پولی نیشیا اور ملانیشیا میں سوروں کی قربانی۔ شمال مغربی امریکا کے ساحلی علاقے میں اسی سلسلے میں اونی چادریں اور تانبے کی پلیٹیں برباد کی جاتی ہیں۔ یہاں مادری سماج ایک، تو "دوئی کے طریقے" کے ذریعے سے جو مادری تہذیب کی دوسری منزل کی خصوصیت ہے، دو حصوں میں تقسیم ہے لیکن ممکن ہے کہ یہاں یہ "دوئی کا طریقہ" سائبیریا کی "سویوٹ" قوم سے لیا گیا ہو جو مادری تہذیب کی حامل نہیں ہے۔ اس کے علاوہ امرا، معمولی آدمیوں اور غلاموں کے تین طبقے الگ کیے جا سکتے ہیں۔ ٹوٹمی اثرات بگڑی ہوئی حالت میں ہیں۔ مردوں کی خفیہ انجمنوں کا زور ہے۔ ان میں ہماٹ انجمن۔ ایک مردم خوار دیو کو مانتی ہے۔ شاید مردم خواری اسی سے پھیلی ہو۔

(۴) **گھاس کے میدانوں اور بیہڑوں کا خطہ**:۔ یہ شمالی امریکہ کے وسط میں اوہیو اور مسی سپی کے بیچ میں واقع ہے۔ یہ جغرافی حیثیت

سے کناڈا کے جنگلی علاقے سے بالکل الگ ہے لیکن علم الاقوام کے نقطۂ نظر سے اتنا مختلف نہیں کہ ہمیں اس کا تفصیلی ذکر کرنے کی ضرورت ہو۔ ہیلوکس کی تہذیب ٹوٹمی تھی لیکن یہ یقین کرنے کی کافی وجوہ ہیں کہ انھوں نے دراصل اس تہذیب کو کسی دوسری قوم سے لیا تھا۔[۲] اس خطے کی ٹوٹمی تہذیب پدری طرز کی تھی اور اس میں کچھ تھوڑا سا رنگ خانہ بدوش گلہ بانوں کی تہذیب کا بھی موجود تھا۔ یہاں کی دوسری اہم قومیں شوشن، کیووا اور پانی تھیں۔

(۵) **سطح مرتفع اور کوہ راکی کا خطّہ:**۔ اس میں شوشن قوم، یوٹی قوم اور اندرون ملک کے شلیش قبائل آباد تھے۔ یہ شمال مغربی امریکا کے اندرونی حصے میں ایک الگ تھلگ جگہ ہے جہاں قدیم تہذیبیں اب تک باقی ہیں۔

(۶) **کیلیفورنیا:**۔ اس کی بھی کم و بیش یہی حالت ہے۔ یہاں ہنوٹی، ہوکا اور یوکی کے بعض قبائل میں ایک قدیم تہذیب اب تک محفوظ ہے جو اولین تہذیب سے ملتی جلتی ہے۔ ان قبائل میں مائڈو اور پوما قابل ذکر ہیں۔

(۷) **جنوب مغربی یا پوبلو قوم کا خطہ:**۔ یہ شمالی امریکا کی مادری تہذیب کا ایک اور مرکز ہے جہاں عرصے سے زراعت ہوتی ہے۔ قبل تاریخی "ٹوکری بنانے والوں" کی تہذیب سے لے کر قبل یورپی پوبلو تہذیب تک ارتقا کا سلسلہ صاف نظر آتا ہے۔ یہاں اینٹوں کی مستطیل عمارتیں جن میں بہت سی مربع کوٹھریاں ہوتی تھیں بلند چبوتروں کی شکل میں بنائی جاتی تھیں۔ ٹوٹمی اور مادری معاشرت ملی جلی تھی۔ جنوب مغربی امریکا کے اس دوسرے تہذیب مادری کے مرکز میں ایک پیچیدہ معاشرتی تنظیم پائی جاتی تھی جو

قبائل کی تقسیم کے مختلف اصولوں پر مبنی تھی۔ پانی برسانے کے منتر، مردوں کی خفیہ انجمنوں کے رسمی ناچ، سرداروں کی مذہبی طرز کی حکومت اس معاشرت کی خصوصیات ہیں۔

ترقی یافتہ میکسیکی (اور قبل یورپی) شہری ریاستوں کے تہذیبی اثرات بالکل واضح ہیں۔ دوسری طرف پوبلو قبائل نے بھی شمال میں ڈینی قوم کی تہذیب اور ایک حد تک شمالی امریکا کے مشرقی جنگلی علاقے کے تیسرے مادری زراعتی مرکز پر بہت کچھ اثر ڈالا ہے۔ کچھ ڈینی قوم کے لوگ جنوب مغربی امریکا میں پوبلو قبائل کے درمیان آباد ہیں۔ اوّل الذکر میں اپاش اور نواہو اور آخرالذکر میں ہوپی، زونی، کیریس اور ٹیہنا کا نام لیا جاتا ہے۔ اسی علاقے کی یوما قوم بھی تہذیب کے لحاظ سے ان سے تعلق رکھتی ہے۔

(۸) **مشرقی جنگلی خطہ:**۔ یہ وہ علاقہ ہے جو میکسیکو اور وسطی امریکا کی شہری ریاستوں کو چھوڑ کر شمالی امریکا کی سب سے برتر تہذیب کا گھر تھا۔ لیکن تاریخ تمدن کے لحاظ سے اس کا تعلق وسطی امریکا سے پایا جاتا ہے۔ مشرقی امریکا کی مادری قوموں میں دو الگ الگ نظر آتی ہیں۔ شمال میں اروکوا اس اور جنوب کی طرف ہٹ کر دریائے مسی سپی کے دہانے پر مسکوگی۔ آخرالذکر قوم کا تعلق قبل تاریخی "ٹیلوں کی تہذیب" سے پایا جاتا ہے جو یقیناً مگالیتھی قسم کی تھی اور بالواسطہ جنوب مشرقی ایشیا سے متاثر ہوئی تھی۔ یہاں کھیتی ہوتی تھی خصوصاً امریکی مکئی کی۔ مادری تہذیب کی حامل ناک قوم اشرافی طرز کی حکومت کرتی تھی اور محکوم قومیں بھی کم و بیش مادری معاشرت رکھتی تھیں۔ ناک قوم کی حکومت کا مقابلہ ملا بار کی نائر قوم اور مغربی سوڈان کی

بینن ریاست سے کیا جا سکتا ہے۔ یہ بات قابلِ غور ہے کہ ان کے ہاں دو دو سردار ہوتے تھے ایک جنگ کے زمانے کا، دوسرا امن کے زمانے کا۔ سر کاٹنے کا طریقہ، جو جنوب مشرقی ایشیا میں اس قدر عام تھا اور جس کا اثر ہندستان کی قبل تاریخی تہذیب میں بھی صاف نظر آتا ہے، شمالی امریکہ میں مادری زراعتی تہذیب کے اس تیسرے مرکز میں بھی پایا جاتا تھا۔ میکسیکو سے اس تہذیب کا نمایاں تعلق ہے اگرچہ وہاں کے اثرات بالواسطہ پڑے ہوں گے۔

شمالی امریکا کے کُل صوبوں اور تہذیبی خطّوں میں جن کا ہم نے ذکر کیا ہے، شامانی عقائد اور رسوم اور ہمزاد کا عقیدہ عام ہے۔ اچھی قسم کے تیر کمان یہ سب قومیں استعمال کرتی تھیں۔

(۹) **وسطی امریکا کا خطّہ:۔** یہاں کی ترقی یافتہ شہری ریاستیں مادری اور ٹوٹمی تہذیب کی مخلوط بنیاد پر قائم تھیں۔ بحر الکاہل کے راستے سے ملانیشیا اور بالواسطہ ہندستان، مصر اور ایک حد تک چین کے تہذیبی اثرات صاف ظاہر ہیں۔ ہم اس کتاب کی تمہید میں یہ بحث کر چکے ہیں کہ اس قسم کے تعلقات کا پتہ چلانے کے کیا طریقے ہیں اور اس کی مثالیں بھی دے چکے ہیں۔ اس خطّے کی شاندار تہذیب کو تین لسانی اور تہذیبی جماعتوں نے ترقی دی تھی:۔

(الف) **یوٹو ازٹیک** (ناہواٹل)۔ ازٹیک حکمراں قوم تھی اور ٹولٹیک ایک قدیم تر نسل تھی۔ ان کی معاشرت میں ٹوٹمی پدری جنگجو قوموں کا رنگ اس سے زیادہ ہے جتنا مایا قوم میں۔

(ب) **مایا قوم** کی تہذیب کی بنیاد مادری نظام پر قائم تھی خصوصاً

مشرقی ساحل کے ہواکسٹیکو قبیلے ہیں۔ مایا قوم نے تصویری تحریر کے طریقے کو جو وسطی امریکا کی شہری ریاستوں سے مخصوص ہے بہت ترقی دی تھی۔ اس مخلوط تہذیب کی خصوصیات بارش کے دیوتا کا تصور، خون کی قربانی اور ایک برتر نجات دہندہ (کوئزاں کواٹل) کا عقیدہ ہے۔

(ج) ازاپوٹیک وسطی افریقہ کی ایک کم ترقی یافتہ اور مہذب قوم تھی۔ ترقی یافتہ اور غیر ترقی یافتہ اقوام کے اس معجون مرکب کا نقشہ زیادہ واضح ہو جائے گا اگر ہم وسطی امریکا کی شہری ریاستوں کی تہذیب کے متعلق چند باتوں کا ذکر کر دیں۔ زراعت یہاں ترقی پر تھی۔ پالتو جانور بجز کتوں اور امریکی مرغیوں کے اور کوئی نہیں تھے۔ بار برداری کا سارا کام آدمی کرتے تھے۔ پہیئے سے یہ لوگ واقف نہیں تھے لیکن مایا قوم ریاضی میں صفر کے پیچیدہ اور مجردِ تصور سے کام لیتی تھی۔ نجات دہندہ کے برتر تصور کے ساتھ ساتھ بڑے پیمانے پر انسانی قربانی کا رواج تھا خصوصاً ازٹیک قوم اور لڑائی کے دیوتا اوئی زیل اپوکلی کے ماننے والوں میں۔ اعداد و شمار بہت تفصیل سے قلم بند کیے جاتے تھے مگر تحریر صرف تصویری علامات تک محدود تھی۔ تانبا اور لوہا کثرت سے استعمال ہوتا تھا لیکن پیتل سے لوگ واقف نہیں تھے اور سارے کام پتھر خصوصاً آتش فشانی مادے کے اوزار اور ظروف سے لیا جاتا تھا۔ جدید عہد حجری کی کتل کی نفیس صنعت کا عام رواج تھا۔

مخلوط ٹوٹمی اور مادری تہذیب کی شہری ریاستوں کے اس مرکز نے جو بحر الکاہل کے راستے سے ایشیائی تہذیب سے متاثر ہوا تھا خود بھی مسکوگی قوم اور (بالواسطہ) مشرقی امریکا کی اروتواس قوم اور جنوب مغرب

کی پو بلو قوم کی مادری تہذیبوں پر بہت کچھ اثر ڈالا تھا۔ اس کے تعلقات جنوبی امریکا کے مغربی پہاڑوں کی شہری ریاستوں سے اور اس براعظم کے مشرقی جنگلی خطّے کی اراوک اور کریب قوم سے بھی رہے ہوں گے اور جانبین کا اثر ایک دوسرے پر پڑا ہوگا۔

مجموعی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ وسطی امریکا کی شہری ریاستیں اعلےٰ تہذیب کی طرف قدم بڑھا رہی تھیں اور انسانی قربانیوں کی وحشیانہ رسم کی جگہ نجات دہندہ کا برتر عقیدہ لینے والا تھا۔ مگر اسپینی حملہ آوروں کے خوفناک ظلم نے اس تہذیب کا خاتمہ کر دیا گو وہ ان قوموں کو مٹانے میں کامیاب نہیں ہوئے۔
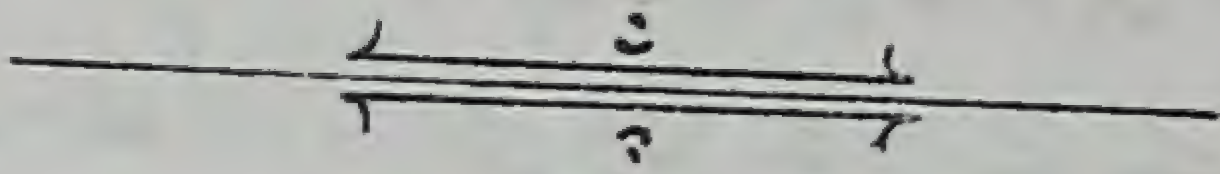
بارھواں باب

جنوبی امریکا کی کیفیت

تاریخ تمدن کے لحاظ سے

قبل یورپی عہد کی بے شمار صدیوں میں جنوبی امریکا ایک الگ تھلگ اور محفوظ خطّہ تھا۔ جہاں تک شمالی امریکا کا تعلق ہی ہم یہ فرض کر سکتے ہیں کہ بحرِ منجمد شمالی کے علاقے کی یورپی یا ایشیائی قومیں قبل تاریخی زمانے میں بحر اوقیانوس سے گزر کر گرین لینڈ کے راستے سے کناڈا پہنچیں۔ نارو کے قدیم جہاز رانوں کے بارے میں تو یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہی کہ انھوں نے یہی کیا تھا اور کولمبس سے صدیوں پہلے امریکا کو دریافت کر لیا تھا۔ لیکن ان کی نو آبادیاں کچھ عرصے کے بعد مٹ گئیں اور یورپ والوں کا علم کناڈا کے متعلق، جسے ناروے والے گرین لینڈ کے مغرب کا "جزیرہ" کہا کرتے تھے کچھ ترقی نہ کر سکا۔ لیکن جنوبی امریکا کا کوئی بلا واسطہ تعلق مشرق کی طرف "پرانی دنیا" کے کسی ملک سے ثابت نہیں ہوتا۔ افریقہ اور جنوبی امریکا کے درمیان سمندر کا طے کرنا ابتدائی جہاز رانوں کے لیے مشکل تھا اور یورپ یا آسٹریلیا سے سیدھا جنوبی امریکا پہنچنا بالکل ناممکن تھا اس لیے صرف مغرب کا راستہ رہ جاتا ہی یعنی بحرِ جنوبی کے پولی نیشی جزائر کی

طرف۔ لیکن ادھر بھی قدرتی رکاوٹیں موجود تھیں۔ جنوبی امریکا کا مغربی ساحل
اس کے لیے بالکل ناموزوں ہی کہ ابتدائی جہازرانوں کی کشتیاں وہاں
لنگر انداز ہوتیں۔ ان لوگوں کا آخری "بحری مرکز" جزائر ایسٹر تھے۔ وہاں
سے وسطی امریکا کا ساحل جنوبی امریکا کے مقابلے میں کسی قدر دور ہی
لیکن صاف ظاہر ہی کہ سہولت کے لحاظ سے جزائر ایسٹر کے جہازرانوں
کو بھی ساحل اپنی طرف کھینچتا ہوگا۔

غرض یہ براعظم دنیا سے بالکل الگ تھا اور اس میں داخل ہونے
کا صرف ایک ہی دروازہ تھا یعنی پناما کا خاکنائے جس سے ابتدائی
قومیں شمال کی طرف سے آسکتی تھیں۔ اسی کے ساتھ ساتھ جزائر غرب الہند
کا سلسلہ بھی قبل یورپی زمانے میں شمالی اور جنوبی امریکا کے درمیان
آمدورفت، ہجرت اور تہذیبی تعلقات قائم رکھنے کا ذریعہ رہا ہوگا۔

غرض جنوبی امریکا کی ابتدائی قومیں ان دو راستوں سے شمالی امریکا
سے آئی ہوں گی۔ اس زرخیز استوائی خطے کے جنگلوں، مرغزاروں اور
خوبصورت پہاڑوں نے ابتدائی مہاجروں کو اپنی طرف کھینچا اور وہ یہاں
آباد ہوکر آرام کی زندگی بسر کرنے لگے۔ پھر اور ریلے آتے رہے اور ان
لوگوں کو جنوب کی طرف ہٹاتے رہے۔ مگر یہ یاد رکھنا چاہیے کہ جنوبی نیم
کرے میں جنوب کی طرف ہٹنے کے معنی ہیں بحر منجمد کے علاقے کی
آب و ہوا یعنی برف، طوفان اور جاڑے کے موسم میں جو ہمارے گرمی
کے موسم سے مطابقت رکھتا ہی، لمبی لمبی راتوں کا سامنا کرنا۔ اس لیے
جنوب کی طرف ہجرت میں ایک تو آب ہوا کی مشکلات تھیں اور دوسرے
یہ دقت تھی کہ یہ براعظم مثلث کی شکل کا واقع ہوا ہی اور اس کا پتلا سرا

قطب جنوب کی طرف چلا گیا ہے جس کی وجہ سے جنوب میں جانے والوں کے لیے ہر قدم پر جگہ کی تنگی بڑھتی جاتی ہے۔

ان حالات کا عکس ہمیں جنوبی امریکا کی تاریخ تمدن اور قبل یورپی عہد میں یہاں کی قوموں کے معاشرتی مدارج میں صاف نظر آتا ہے جو قومیں شمال کے استوائی خطے میں رہتی تھیں انھوں نے بہت ترقی کی، یہاں تک کہ شہری ریاستیں قائم کریں۔ جو منطقہ معتدلہ کے تنگ بیہڑ علاقے میں تھیں ان میں آپس میں کشمکش اور جنگ ہوتی رہی اور جو انتہائی جنوب کے برفانی اور طوفانی علاقے میں تھیں انھیں موسم کی سختیوں کا مقابلہ کرنے میں سخت مصیبتیں اٹھانی پڑیں۔ اسی لیے جنوبی سرا پناہ گزیں قوموں کا گھر ہے جو امریکا کے اولین تہذیبی دائرے سے تعلق رکھتی ہیں۔ یہ کسی زمانے میں سائبیریا سے امریکا میں الاسکا کے شمالی سرے میں داخل ہوئی ہوں گی۔ اس کے بعد دوسری قوموں نے انھیں شمالی اور جنوبی امریکا کے پورے براعظم کے ایک سرے سے ہٹاتے ہٹاتے دوسرے سرے یعنی جنوبی فائرلینڈ تک پہنچا دیا۔

ظاہر ہے کہ نسلی اور تہذیبی دونوں طرح کی قدیم خصوصیات شمالی امریکا کے مقابلے میں جنوبی امریکا میں زیادہ محفوظ ہیں۔ جنوبی امریکا کے مغرب میں کوہ اینڈیس کی شہری ریاستوں کی ٹوٹی اور مادری بنیاد زیادہ صاف نظر آتی ہے اور ان کے باشندوں کی شکلوں میں منگولی خط و خال زیادہ وضاحت کے ساتھ نمایاں ہیں بہ نسبت شمالی اور وسطی افریقہ کی قبل یورپی قوموں کے۔ بوٹکڈ قوم، مشرقی برازیل کی سیریونو قوم، بولیویا کے جنگلی علاقے اور فائرلینڈ میں قبل تاریخی ''لاگوا سنٹا'' نسل کی خصوصیات جن کا

پتہ کھود کر نکالی ہوئی کھوپریوں سے چلتا ہی، آج تک باقی ہیں۔

جنوبی امریکا کی قوموں میں قوت حیات شمالی امریکا کی قبل یورپی قوموں سے زیادہ ہی اور وہ نئے حالات سے مطابقت پیدا کرنے کی زیادہ صلاحیت رکھتی ہیں۔ جنوبی امریکا کے لوگوں نے یورپیوں سے شادی بیاہ کے تعلقات زیادہ قائم کیے، ان میں سے اکثر نے عیسوی مذہب اور اسپینی اور پرتگالی زبانیں اختیار کرلیں لیکن پھر بھی اپنا قومی احساس نہیں کھویا۔ اس کے علاوہ پچھتر لاکھ سے زیادہ خالص جنوبی امریکی نسل کے لوگ موجود ہیں جن کے فنا ہونے کا کوئی اندیشہ نہیں گو ان میں سے بعض کے ملک کو یورپی مہاجروں نے چھین لیا ہی اور ان کی آزادی کو سلب کرلیا ہی۔

جغرافی اور قدیم تہذیبی خطّے

(۱) **استوائی جنگلی علاقہ**:۔ براعظم کے شمال مشرقی گوشے ساحل گیانا اور دریائے امیزن اور اس کے معاون کے وسیع علاقے پر مشتمل ہی۔ جغرافی اعتبار سے اس زرخیز ملک کا مقابلہ وسطی افریقہ کی وادی کانگو، ساحل ملاتابہ اور بنگال سے کیا جا سکتا ہی۔ زراعت جو مادری تہذیب کی دوسری منزل کا نمونہ پیش کرتی ہی۔ اس خطے کی تہذیب کی بنیاد ہی۔ جڑوں، مکئی اور مینیاک[۵۱] کی کاشت سب سے زیادہ ہوتی ہی۔ ممکن ہی کہ اروا ک قوم ساحلِ گیانا یا شاید جزائر غرب الہند سے آئی ہو اور بالواسطہ وسطی امریکا کی شہری ریاستوں اور شمالی امریکا کے مشرق

---

[۵۱] جزائر غرب الہند کا ایک پودا جس کے نشاستے کی روٹی پکائی جاتی ہی۔

کی مادری زراعتی قوموں (مسکوگی اور اروکواس) سے تعلق رکھتی ہو۔ اروا کے بھی زراعتی قوم ہو اور مادری معاشرت رکھتی ہو۔ بڑے بڑے مکانات جن میں مادری مشترکہ خاندان رہتا ہو (آسام کی کھاسی قوم کے مکانوں سے مشابہ) مٹی کے برتن، مردوں کی خفیہ انجمنیں، ان کے نقاب پوش ممبروں کا "بھوتوں" کے بھیس میں ناچنا، ملانیشی طرز کا تیر کمان اور مادری معاشرتی اور مذہبی نظام کی بہت سی خصوصیات یہ ظاہر کرتی ہیں کہ کسی زمانے میں یہ لوگ ملانیشیا اور بالعموم جنوب مشرقی ایشیا کی مادری تہذیب کی دوسری منزل سے تعلق رکھتے ہیں۔

یہ ایک حکمراں قوم ہو جو استوائی جنگلی علاقے کی اور قوموں کو رفتہ رفتہ اپنے اندر جذب کر رہی ہو اور ان سے زراعت کا کام لیتی ہو۔ ان قوموں میں کریبس قوم قابل ذکر ہو اگرچہ اس نے اپنی قومی اور لسانی خصوصیت کو قائم رکھا ہو۔ وسطی برازیل میں بکائری کریبس کا ایک اہم قبیلہ ہو۔ سر کاٹنے کی رسم اور نشے کا استعمال مادری زراعتی قوموں کی اور خصوصیات کے ساتھ ساتھ برازیل کے جنگلی علاقے میں پایا جاتا ہو۔ اسی خطے میں گوارانی ٹوپی اقوام خصوصاً منڈوروکو قوم ٹوٹمی تہذیب کی حامل ہو۔ برازیل کا مشرقی حصہ جس میں اب ساحل سے آئے ہوئے یورپی مہاجروں کی گنجان آبادی ہو قبل یورپی زمانے میں ناقابل گزر اور آبادیوں سے دور تھا۔ یہاں کے بوٹوکوڈ اور دوسرے گیس ٹاپوئی قبائل جنوبی افریقہ کی تہذیب کے دھارے سے الگ کونے میں پڑے ہوئے تھے۔ زراعت یا مٹی کے برتن بنانے سے وہ بالکل ناواقف تھے۔

(۲) کوہ اینڈیس کی شہری ریاستیں :۔ یہ خلاف جدید جنوبی امریکا

بارھواں باب

کے جہاں تہذیب و تمدن اور گنجان آبادی کے مرکز مغربی کنارے ساحل
اوقیانوس اپر بڑے بڑے دریاؤں کے دہانے پر واقع ہیں قبل یورپی جنوبی
امریکا کا تہذیبی مرکز اینڈیس کی سطح مرتفع اور پہاڑوں یعنی اس سلسلے پر
تھا جو مشرقی ساحل پر خط استوا سے لے کر قطب جنوبی کے علاقے تک چلا
جاتا ہے۔ قدیم شہروں کے آثار کثرت سے پائے جاتے ہیں جن سے ظاہر
ہوتا ہے کہ یہ تہذیبی روایات بہت پرانی ہیں۔ میگالیتھی یادگاریں ٹیٹی کاکا
جھیل کے قریب ٹیا ہواناکو میں پائی گئی ہیں۔ ان سے بھی زیادہ اہم ترقی یافتہ
شہری ریاستوں کے آثار ہیں جو بحرالکاہل کے کنارے ملتے ہیں۔ ٹروہیلیو
میں بت سازی کے اعلیٰ نمونے اور ناسکا میں ایک خاص طرز کے دیووں
کے منقش چہرے پائے گئے ہیں۔ مختلف اقسام نفیس مٹی کے برتن مشرق
قریب خصوصاً کریٹ کے برتنوں سے حیرت انگیز مشابہت رکھتے ہیں۔
مٹی کی اینٹوں کے زبردست مخروطی مینار قبل انکائی عہد سے تعلق رکھتے
ہیں اور اینڈی پہاڑوں کے بڑے بڑے پتھر کے محل انکا یعنی کیچوا قوم
کے حکمراں قبیلے کے بنائے ہوئے ہیں۔ یہاں ٹوٹمی تہذیب کی بنیاد مادری
تہذیب سے زیادہ واضح اور پرانی ہے۔ بہ خلاف اس کے سلسلۂ اینڈیس
کے شمالی اسکوائی حصے کی ترقی یافتہ تہذیب کی حامل چبا چا قوم میں مادری
معاشرت کی بنیاد زیادہ نمایاں تھی۔ جنوبی اینڈیس میں کیچوا قوم ایک پیچیدہ
سیاسی نظام رکھتی تھی جس کے مطابق ان کا حکمراں قبیلہ انکا حکومت کرتا
تھا۔ یہ لوگ لاما پالتے تھے، سونے تانبے اور پیتل سے واقف تھے اور
ان سے کام لیتے تھے۔ اس لیے بعض چیزوں کے لحاظ سے۔ ان کی
تہذیب وسطی افریقہ کی تہذیب سے برتر تھی۔ لیکن دوسری طرف لکھنے پڑھنے

کا یہ لوگ نام تک نہیں جانتے تھے۔ پھر بھی ریاست کی آمدنی اور ذخیروں کا اور عام لوگوں کی املاک کا ڈوریوں میں گرہ ڈال کر باقاعدہ حساب رکھا جاتا تھا۔ یہ گروہوں کی "تحریر" پولی نیشی قوم کے سمندر کے نقشوں سے ملتی جلتی ہے اور اُسی اصول پر مبنی ہے۔ ان کا حکمراں خاندان جاپان کے شاہی خاندان کی طرح سورج کی اولاد مانا جاتا تھا۔ جاپان کی طرح کیچوا قوم بھی ریاست کو اپنی جان و مال کا مالک سمجھتی تھی۔ ان کی خاندانی زندگی، ذاتی معالات یہاں تک کہ کھانے پینے میں ریاست کو دخل تھا۔ وہ ہر چیز کا معائنہ کرسکتی تھی اور ہر چیز کے لیے قاعدے بناتی تھی۔ یہ ایک اور مثال ہے اس امر کی کہ ٹوٹمی تہذیب میں تنظیم پر حد سے زیادہ زور دیا جاتا تھا۔ اینڈیس کے شمالی علاقے میں چپاچا قوم فرد کے حقوق و فرائض کے معاملے میں ان سے کہیں زیادہ آزاد خیال اور جمہوریت پسند تھی۔ مکئی اور آلو سب یہاں کی خاص زراعتی پیداوار تھی یہ دونوں چیزیں اور تمباکو قبل یورپی امریکا کے سب سے اہم تحفے ہیں جو اس نے دنیا کو دیے۔

(۳) **چاکو خطہ**:۔ یہ ایک گھرا ہوا علاقہ ہے جس کی جغرافی حالت مختلف حصوں میں مختلف ہے اور تہذیبی عناصر اور اثرات میں بھی تنوع پایا جاتا ہے بالکل ابتدائی زراعتی اور ٹوٹمی عناصر جو مشرق کی طرف سے پڑوس کے جنگلی خطے سے آئے تھے۔ دوسری قسم کے مادری ٹوٹمی عناصر کے ساتھ ملے جلے ہیں جو مغرب سے یعنی اینڈیس کے ترقی یافتہ علاقے سے آئے۔ ان اثرات کے تحت میں مٹاکو (ایسلسی) اور گائی کورو (ٹوبا، پلاکا) کی زندگی اور تہذیب نے تشکیل پائی۔

(۴) **ارجنٹائن اور چلی کا بیہڑ خطہ یا پامپا کا علاقہ**:۔ یہی صورت ایک

حد تک اس علاقے کی بھی ہے۔ یہاں بھی جنوبی امریکا کے دونوں ساحلوں سے مختلف اثرات پڑتے رہے اور چونکہ براعظم کا یہ حصہ بہت تنگ ہے اس لیے باہمی اثرات بہت زیادہ اور بہت پیچیدہ ہیں۔ ناکافی معلومات کی بنا پر ان کی تحلیل کی کوشش کرنا بالکل فضول ہے۔ صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ اس ملک کے باشندوں کے تین بڑے گروہ ٹیہولاک، اروکانی اور پُولک شکاریوں کے قبائل تھے جن کی تہذیب کا رجحان شمالی ایشیا کے خانہ بدوش گلہ بانوں جیسی تہذیب کی طرف تھا۔ یہ محض اتفاق نہیں کہا جا سکتا کہ انھوں نے گھوڑے کو جو یورپی لوگ لائے تھے بہت جلد اپنا لیا اور اپنی ایک جداگانہ خانہ بدوش گلہ بانوں اور شکاریوں کی تہذیب پیدا کرلی۔ لیکن مادری اثرات بھی خصوصاً اینڈیس کی شہری ریاستوں سے کچھ کم نہیں ہیں۔ خصوصاً اروکانی اور ٹیہولاک زاور ان میں بالخصوص پیٹیگونیا کی گھڑ چڑھی قومیں بہت سی باتوں کے لحاظ سے مادری تہذیب کے رنگ میں ڈوبی ہوئی ہیں۔

(۵) فائر لینڈ:۔ وہ جنوبی سرا ہے جہاں یمانا، ہلاکو لوپ اور سیلکو نام قوموں نے جنوبی امریکا میں اوّلین تہذیب کی یادگار ہیں، پناہ لی۔ اس کا ذکر ہم چوتھے باب میں کرچکے ہیں مزید تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔
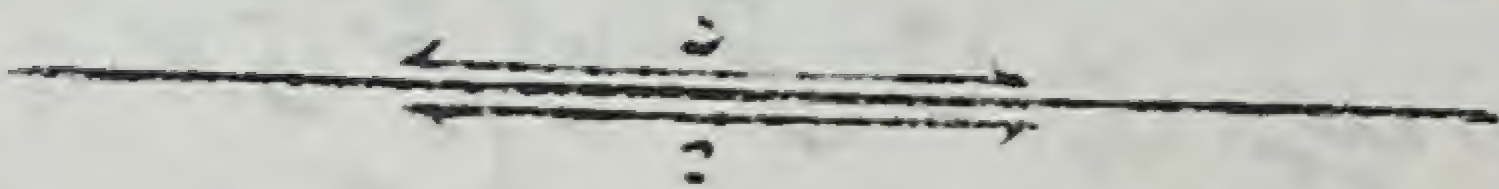
تیرھواں باب

بحرِ جنوبی (جزائر بحر الکاہل) کی کیفیت

تاریخ تمدن کے لحاظ سے

نیوگنی اور جزائر ایسٹر کے درمیان جو بے شمار چھوٹے چھوٹے جزیرے بکھرے پڑے ہیں ان کی تمدنی تاریخ علم الاقوام کا ایک نہایت دلچسپ مسئلہ ہی جو ابھی تک حل نہیں ہوا ہی۔ یہاں مختلف تہذیبی دوروں کے آثار ایک نہایت خوش منظر ماحول میں دو ایسی قوموں نے محفوظ رکھے ہیں جن سے زیادہ دل کشی دنیا کی کسی قوم میں نہیں پائی جاتی۔ ملانیشیوں میں اب تک جدید عہد حجری کی مخلوط مادری اور ٹوٹمی تہذیب باقی ہی اور پولی نیشیوں نے جو مشرق کی طرف ہٹ کر بحر الکاہل کے بیچوں بیچ میں رہتے ہیں اپنے چھوٹے چھوٹے دور افتادہ جزیروں میں شہری ریاستوں کی روایات کو قائم رکھا ہی۔ جس طرح ان لوگوں نے ماحول سے مطابقت پیدا کی، ایسے حالات میں جہاں مویشی پالنا، مٹی کے برتن بنانا، اور بڑے پیمانے پر سماجی تنظیم کرنا ناممکن تھا، اپنی پیچیدہ روایات کو قائم رکھا، دنیا سے الگ رہنے کے باوجود تہذیب کا ایک بلند درجہ حاصل کرلیا وہ تاریخ تمدن اور نفسیات کا مطالعہ کرنے والے کے لیے نہایت

سبق آموز ہی۔ مگر افسوس کی بات ہی کہ ان تندرست اور ذہین قوموں کی زندگی کی ہم آہنگی، حُسن اور راحت و مسرّت برباد کردی گئی ہی۔ شمالی امریکہ کی قوموں کو تو حملہ آوروں کے ظلم نے اور وسطی امریکا کی شہری ریاستوں کو دشمنوں کی نفرت اور عداوت نے تباہ کیا، لیکن ان غریبوں کو ان کے خیر خواہ "مشین کی تہذیب" پھیلا کر تباہ کر رہے ہیں۔ لباس، شراب جیسی امراض، مزدوروں کی سی زندگی اور افلاس یہ تھے ان غریبوں کے سر منڈھے جا رہے ہیں جو تندرستی اور چین سے بسر کر رہے تھے۔

"از دیاد خواہش" کے اصول نے اور ملکوں کی طرح یہاں بھی لوگوں میں جسمانی اور اخلاقی مزاحمت کی قوت کو کم کر دیا ہی۔ وہ لوگ جو انسانی تہذیب اور زندگی کی حکمت میں ہمیں بہت کچھ سبق دے سکتے تھے حفظان صحت کے اصول کے خلاف لباس پہنا کر اس قابل نہیں رکھے گئے کہ گرمی، دھوپ، بارش اور بیماری کا مقابلہ کر سکیں۔ اسی طرح ان کا آزادی، خودداری اور ہم آہنگی کا احساس مٹا دیا گیا انھیں "از یاد خواہش" کے اصول کے مطابق مشینی تہذیب کی بے کار بلکہ مضر چیزوں کا شوق دلا کر جنھیں عیسائی مبلغ اور نیم تعلیم یافتہ "دیسی" تہذیب اور اخلاق کی اشاعت کا بہترین ذریعہ سمجھتے ہیں۔ یہ کتنا بڑا ظلم اور کتنی سخت غلطی ہی اس کا اندازہ صرف ایک بے تعصب ماہر علم الاقوام کر سکتا ہی جو یہ جانتا ہی کہ اگر ان لوگوں کو حفظان صحت، منطق اور اخلاق کے اصول سکھائے جاتے، سائنس کی تعلیم دی جاتی جس سے وہ اپنی خاص ضرورتوں اور مصلحتوں کے مطابق کام لے سکتے تو انھیں کتنا بڑا فائدہ پہنچتا اور اس کے بجائے انھیں تہذیب کی لغو، مہمل اور مضر پیداوار دے کر کتنا

سخت نقصان پہنچایا جا رہا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ ایک طرف تو وہ چڑیل بھوت جادو ٹونے کو بدستور مانتے ہیں اور قدرت کی پوشیدہ قوتوں کے علمی، اخلاقی اور بلند تصوّر سے بیگانہ ہیں اور دوسری طرف "جدید یورپی تہذیب" سے بھی وہ صرف اوہام، تعصبات اور عیوب کو لیتے ہیں اور اس کی خوبیوں کو چھوڑ دیتے ہیں۔ یورپ کا لباس اور چمڑے کے بھاری بوٹ جو گرم آب و ہوا میں سخت تکلیف دہ ہیں، اس "ازدیاد خواہش" کا سب سے پہلا مفسد ہے جس کے اس قدر گیت گائے جاتے ہیں۔ لیکن انگریزی قوم کی صفائی، غسل خانوں کے استعمال، ترتیب اور سلیقے کی زندگی سے کسی کو غرض نہیں۔ شراب پینا، جوا کھیلنا اور شان سے رہنا تو لوگ بہت جلدی سیکھ لیتے ہیں لیکن علمی اور اخلاقی انداز اور عورتوں سے شرافت سے پیش آنا دیر میں آتا ہے۔

اس لیے کوئی تعجب نہیں کہ ان حالات میں یہ لوگ خصوصاً پولی نیشیا کے چھوٹے چھوٹے جزائر کے باشندے یورپی تہذیب کی تخریبی قوتوں کا شکار بڑی آسانی سے ہو جاتے ہیں۔ ملانیشیا میں کچھ تو یورپی تاجروں کا جانا کم ہوا کچھ لوگوں میں باہمی اتحاد اور سادگی زیادہ اور بناوٹ کم تھی اس لیے انھوں نے زیادہ عرصے تک اور زیادہ زور کے ساتھ مقابلہ کیا اور ان کی تہذیب اب تک باقی ہے۔ اب حکومتوں اور مبلغوں نے علم الانسان اور علم الاقوام کے ماہروں کے اثر سے ان ابتدائی قوموں سے کام نکالنے کے بہتر طریقے اختیار کیے ہیں[1]۔ یہ دانشمندانہ طرزِ عمل

---

[1] کیتھولک کلیسا نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ وہ ان کے لباس میں دخل دے کر ان کی صحت کو نقصان نہیں پہنچائے گا۔

اتنی دیر میں اختیار کیا گیا کہ پولی نیشیا کے اکثر حصوں میں جو خرابی ہونی تھی ہو
چکی ملانیشا اور مکرونیشا میں اب بھی کچھ روک تھام ہو سکتی ہے۔ اس لیے
ہم جو کچھ یہاں بیان کریں گے وہ جہاں تک پولی نیشیا کا تعلق ہے حال
کی نہیں بلکہ ماضی کی تصویر ہے۔ البتہ پولی نیشیا پر اب بھی ایک حد تک
صادق آتا ہے۔

(۱) **ملانیشیا** وہ مجمع الجزائر ہے جو پاؤلا، یاپ اور مارشل کے جزیروں
کے جنوب مغرب میں نیوگنی تک چلا جاتا ہے (اور نیوگنی اس میں شامل ہے)
جڑوں (خصوصاً زنالو وغیرہ) کی کاشت اور عام مادی تہذیب اور جدید
عہد حجری کے ابتدائی دور کا نقشہ پیش کرتی ہے۔ گول تبر یہاں استعمال ہوتے
تھے اور اب بھی ہوتے ہیں۔ ان کا پھل دستے میں اوپر نیچے ہٹ سکتا
ہے اس لیے ایک صیقل شدہ پتھر تبر اور کھرپے دونوں کا کام دے
سکتا ہے۔

ملانیشی زبانیں جو آسٹرونیشی زبانوں سے (اور خفیف حد تک ہندستان
کی مندری اور کھاسی زبانوں سے بھی) تعلق رکھتی ہیں۔ کسی متاخر عہد کی
زبانیں معلوم ہوتی ہیں بیچ میں "پاپوانی" زبانیں جو انڈونیشیا میں بھی
بولی جاتی ہیں کسی ایک خاندان سے تعلق نہیں رکھتیں بلکہ غالباً مختلف
زبانوں کا ایک معجون مرکب ہیں۔ یہ زیادہ تر نیوگنی میں رائج ہیں مگر چھوٹے
جزیروں اور انڈونیشیا میں شمالی ہالماہیرا میں بھی ان کے بولنے والے
موجود ہیں۔ موبمو، مارند آنم، کائی، کوائی اور بیننگ اس سلسلے سے
تعلق رکھتی ہیں۔

نسل کے لحاظ سے ملانیشی خط و خال نمایاں ہیں اور وہ افریقی

حبشیوں سے اس قدر مشابہت رکھتے ہیں کہ بعض علم الانسان کے ماہر چند ملانیشیوں کو لندن یا پیرس میں دیکھ کر انھیں افریقی سمجھے۔ ان کا جسم سڈول اور چھریرا، قد لمبا، ہونٹ کسی قدر موٹے، بال گھونگھروالے اور رنگ کالا ہوتا ہے۔ پاپوئی یا "نقلی سامی ملانیشی" بالکل سامی چہرہ اور خم دار بال رکھتے ہیں۔ وہ یہودیوں یا عربوں سے اس قدر مشابہ ہیں کہ یہ نظریہ بالکل رد نہیں کیا جا سکتا کہ ممکن ہے ابتدائی عرب جہازراں اپنے جہازوں کے تباہ ہو جانے کی وجہ سے ملانیشیا میں رہ پڑے ہوں انھوں نے وہیں شادیاں کرلی ہوں لیکن اپنے بیوی بچّوں کو اپنی زبان نہ سکھائی ہو اس لیے کہ کوئی لسانی یا تہذیبی آثار مطلق موجود نہیں جو ملانیشیوں کا تعلق مشرق قریب سے ظاہر کرتے ہوں۔ بعض چیزوں میں آسٹریلیا والوں، خصوصاً بونوں کے خط و خال بھی نظر آتے ہیں جن سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ملانیشی اور پاپوئی قوموں سے پہلے یہاں اور لوگ آباد تھے۔ اس کی تائید علم الاقوام کے اس مشاہدے سے بھی ہوتی ہے کہ یہاں ایک بہت قدیم اولین تہذیبی دائرے سے تعلق رکھنے والی تہذیب کے حامل بھی موجود ہیں۔ اگرچہ غالب رنگ ملانیشی تمدن کا ہے جو مادری تہذیب، دوئی کے طریقے، مردوں کی خفیہ انجمنوں، نقاب پوشوں کے ناچ اور زراعت پر مبنی ہے اور ٹوٹمی تہذیب کے بعض عناصر خصوصاً ٹوٹمی قبائلی تنظیم بھی رکھتا ہے۔

میگالیتھی تہذیب کا ہم سایہ علاقے یعنی انڈونیشیا اور جنوب مشرقی ایشیا میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔ میگالیتھی تہذیب حقیقت میں کوئی تہذیبی دائرہ نہیں ہے بلکہ صرف ایک معاشرتی اور مذہبی رنگ ہے جو

مادری، ٹوٹمی، خانہ بدوش گلّہ بانوں بلکہ ترقی یافتہ شہری ریاستوں کی تہذیب
کے ساتھ بھی کھپ سکتا ہے۔ یہ تینوں ابتدائی تہذیبی دائروں یعنی ٹوٹمی،
مادری اور خانہ بدوش گلّہ بانوں کی تہذیبوں سے زمانے کے لحاظ سے
یقیناً متاخر ہے لیکن میگالیتھی تہذیب ایک طرف تو بعض قوموں میں
لکھنے پڑھنے کی ایجاد سے کسی قدر پہلے پائی جاتی تھی (اور اب بھی
پائی جاتی ہے) اور دوسری طرف کسی قدر تغیر کے ساتھ اعلےٰ درجے کی
ترقی یافتہ شہری ریاستوں مثلاً قدیم مصر اور یونان اور غالباً ابتدائی
عہد جدید شمال مغربی یورپ کے بعض ملکوں میں بھی پائی جاتی تھی۔

میگالیتھی تہذیب کی سب سے نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ افراد کو
مہیر (پتھر کا لمبا اکہرا ستون) ڈولمن (پتھر کے چپٹے تختے) اور دوسری
بھدّی مگر پائدار سنگی یادگاریں نصب کرنے کی اجازت ہوتی ہے بشرطیکہ
وہ بہت بڑا جشن منعقد کریں جس میں قربانی، دعوت اور تفسریح کا
پُر تکلف سامان ہو۔ بعض ثانوی خصوصیات اور بھی ہیں مثلاً مویشی،
بھینسوں، اور اگر وہ نہ مل سکیں تو چند خاص قسم کے سوروں کی قربانی،
گانو کے بااثر لوگوں کا پتھر کی یادگاروں پر بیٹھنا، یہ عقیدہ کہ روحیں ان
یادگاروں پر بیٹھتی ہیں، زمین کو زرخیز بنانے کی رسوم اور سماج کا اشرافی
نظام۔ بیرن فان ہائنے گیلڈرن نے میگالیتھی تہذیب کے متعلق بہت
سی بنیادی تصانیف اور لکچروں میں اس دلچسپ بات کی طرف توجہ دلائی ہے
کہ ان لوگوں میں حیات ابدی کی خواہش نام اور شخصیت کو باقی رکھنے کا
شوق، زمانے کے ساتھ گہرے تعلق کا تصور بہت نمایاں ہے۔ بیرن کا
یہ خیال ہے کہ میگالیتھی مذہبی اور معاشرتی تصور کی جھلک بہت سی

اشراقی تہذیبوں میں نظر آتی ہے اور مکان کی طرف رجحان، یہ عقیدہ کہ دنیائے فانی عالمِ باقی کا ایک پرتو ہے بہت سی اعلےٰ ترقی یافتہ عموی یا جمہوری تہذیبوں کی بنیاد ہے۔ دوسری بات کی سب سے اہم مثال کائنات کا وہ نجومی تصوّر ہے جو بدھ کے زمانے میں اور اس سے پہلے ہندستان اور عراق عرب میں پایا جاتا تھا جس کی رو سے عالمِ ارضی میں ہر چیز کا دوسری چیزوں سے وہی علاقہ ہے جو عالمِ سماوی میں ہے۔ اس سلسلے میں ہم مشرقِ قریب اور مشرقِ بعید کی ان تہذیبوں خصوصاً قدیم حبشی تہذیب کا نام لے سکتے ہیں جن میں معاشرتی تنظیم چاروں سمتوں مشرق، مغرب، جنوب، شمال کے لحاظ سے ہوتی تھی، بادشاہ خدا کا نمائندہ مانا جاتا تھا اور اس کی حکومت زمین پر اسی طرح تسلیم کی جاتی تھی جیسے خدا کی آسمان پر۔ ہم آگے چل کر دیکھیں گے کہ ان دونوں تصوروں یعنی میگالیتھی اور نجومی تصوّر کو ہندستان اور جنوب مشرقی ایشیا کی تاریخ میں بہت بڑی اہمیت حاصل رہی ہے۔ لیکن ملانیشیا اور اس کے مشرق میں مکرونیشیا اور پولی نیشیا کے جزائر میں میگالیتھی تہذیب کا رنگ غالب تھا اور ایک حد تک اب بھی ہے۔ ملانیشیا میں دہرے تختوں کی کشتیوں پر کشتی رانی ہوتی ہے لیکن یہ ترقی کے اس درجے پر نہیں پہنچی جو پولی نیشیا کے جہازرانوں کو حاصل تھا جب وہ بڑے بڑے بیڑوں پر سمندر کو عبور کیا کرتے تھے۔ مٹی کے برتن بنانے کی ایک ابتدائی شکل موجود ہے۔ مکانات جن میں کئی خاندان رہتے ہیں اور کنواروں کے رہنے کے ہال نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔

(۲) مکرونیشیا۔ پلاؤ، یاپ، کیرولین، میرین، گلبرٹ اور مارشل

جزائر پر مشتمل ہے۔ اقوام کی تہذیبی حالت ملانیشیا سے بہت کچھ ملتی جلتی ہے۔
البتہ یہاں یہ بات زیادہ واضح طور پر نظر آتی ہے کہ پولی نیشیا والے کسی
مقام سے جو جنوبی چین، سیام اور غالباً جزائر فلپائن کے درمیان واقع
ہوگا روانہ ہوکر شمالی ملانیشیا اور مکرونیشیا سے ہوتے ہوئے بحر الکاہل کے
منتشر جزائر تک پہنچے۔ منگولی نسل کی خصوصیات جو پولی نیشیا والوں
میں بھی نمایاں ہیں، کپڑا بننے کی صنعت اور چین کے بہت سے تہذیبی
اثرات جو ملانیشی تہذیب کے عام عناصر کے ساتھ ملے جلے ہیں مکرونیشیا
میں نظر آتے ہیں

(۳) **پولی نیشیا**۔ ان کم و بیش چھوٹے جزائر کے مجموعے کا نام ہے جو
بحر الکاہل میں مکرونیشیا اور ملانیشیا کے مشرق میں واقع ہیں نیوزی لینڈ ان
میں سب سے بڑا ہے مختلف دور کے پتھر کے مستطیل اوزار یہ ظاہر کرتے
ہیں کہ جنوب مشرقی ایشیا کے جدید عہد حجری کے متاخر زمانے میں مہاجروں
کے کئی ریلے یکے بعد دیگرے یہاں آتے رہے۔ جو زبان یہاں رائج
ہے وہ آسٹریلوی ایشیائی زبانوں کے آسٹرونیشی خاندان سے تعلق رکھتی
ہے۔ جسمانی حیثیت سے پولی نیشیوں کا تعلق منگولیوں سے اسی قدر یقینی
ہے جتنا بحر روم کے علاقے کی نسلوں سے۔ ان کی مادی تہذیب ملانیشیا
والوں سے پیچھے تھی۔ یہ لوگ مٹی کے برتن بنانا نہیں جانتے تھے اور
کاشت کاری بہت سیدھی سادی قسم کی کرتے تھے۔ لیکن کئی قسم کے
بڑے بڑے دُہرے بادبانوں کے جہاز بنانے میں ان کی مہارت ان کا
آرٹ، مذہب اور معاشرتی تنظیم یہ ظاہر کرتی ہے کہ ان کی تہذیب اور
روایات ملانیشیوں کی تہذیب سے زیادہ قدیم ترقی یافتہ اور پیچیدہ ہوں گی

لیکن اُن میں ایک حد تک انحطاط واقع ہوا ہے۔ یہ یقینی بات سمجھنی چاہیے کہ ان پر ترقی یافتہ شہری ریاستوں کا اثر پڑا ہوگا۔ بظاہر یہ اثرات اس سے پہلے پہنچ گئے تھے جب ان لوگوں نے سمندر کا سفر شروع کیا لیکن یہ معلوم نہیں کہ کب اور کہاں سے پہنچے۔

مادری تہذیب کے اثرات ایک طبقہ وار اشرافی تنظیم کے ساتھ ملے جُلے ہیں جو تینوں ابتدائی تہذیبی دائروں میں سے کسی سے تعلق نہیں رکھتی۔ امرا کے طبقے، متوسط آزاد طبقے اور غلاموں میں آپس میں، شمالی امریکا کی ناک قوم کی طرح شادی بیاہ ہوتا تھا۔ اس کا ایک پیچیدہ طریقہ تھا جس کی وجہ سے باری باری ہر خاندان کو مختلف طبقوں کی زندگی بسر کرنے کا موقع ملتا تھا۔ ماموں کی اہمیت، ایک عورت کے کئی شوہر ہونا اور نشّی عرق "کاوا" کا استعمال یہ ظاہر کرتا ہے کہ یہ لوگ کسی ترقی یافتہ لیکن ایک حد تک بگڑی ہوئی مادری تہذیب سے تعلق رکھتے تھے جس سے جنوب مشرقی امریکا کی ناک قوم کا بھی تعلق تھا۔ اس قوم میں بھی پولی نیشیوں کی طرح یہ دستور تھا کہ ایک خاندان کا معاشرتی درجہ چند پشتوں کے بعد گھٹتا بڑھتا رہتا تھا۔

ان کا مذہب بہت سے دیوتاؤں کے تصور پر مبنی ہے جن میں میاں بیوی کے جوڑے ہوتے ہیں۔ ان کا ہیرو ماوئی ان کی دیومالا میں خاص اہمیت رکھتا ہے۔ تنگالوا خدا کا پولی نیشی نام ہے۔ یہ ترکی لفظ تنگری سے ملتا ہے جو اب ترکی جمہوریہ میں عربی لفظ اللہ کی جگہ استعمال ہوتا ہے۔ دوسری لسانی مشابہتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ محض اتفاق نہیں بلکہ دونوں زبانوں میں قدیم تعلق ہے۔

مجموعی طور پر ہمیں یہ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ پولی نیشیوں کی ہجرت، تہذیبی تعلقات اور ان کی اصل کے مسائل ابھی تک حل نہیں ہوئے ہیں اور یہ اس وجہ سے اور بھی قابلِ افسوس ہے کہ پولی نیشی تہذیب اور روایات اور خود پولی نیشی قوموں کا بہت بڑا حصّہ فنا ہو چکا ہے۔

اس موضوع پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں وہ علم الاقوام کا مطالعہ کرنے والے کے لیے خاص طور پر دلچسپ اور سبق آموز ہیں۔ اس لیے ہم ذیل میں بعض اہم مصنفوں کے نام دیتے ہیں :۔

کاڈرنگٹن ، ریورس ، مالیناؤسکی ، ہائنے گیلڈرن ، پال وِرتس ، گریبز ، پارکنسن ، تھرن والڈ ، ٹریگر ، کریمر وغیرہ۔
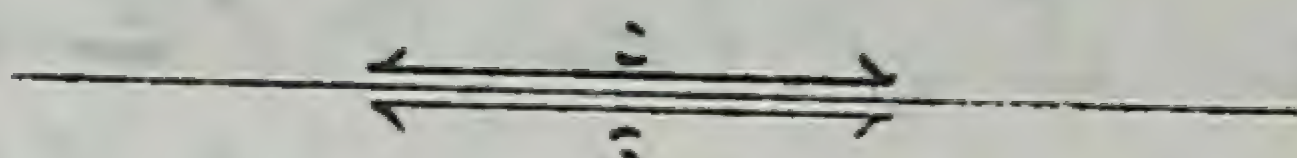
چودھواں باب

آسٹریلیا کی کیفیت

تاریخ تمدن کے لحاظ سے

جغرافی حیثیت سے آسٹریلیا کے تاریخ تمدن کی تاریخ جنوبی امریکا سے مشابہت رکھتی ہے اس لیے کہ یہاں کے پُرانے باشندوں کو بھی نئے آنے والوں نے جو شمال سے ٹوریس کے راستے آئے تھے۔ جنوب کی طرف ڈھکیل کر قطب کے علاقے تک پہنچادیا۔ لیکن آسٹریلیا والے سب کے سب تہذیب کے لحاظ سے جنوبی امریکا والوں کے مقابلے میں زیادہ ابتدائی تھے۔ قبل یورپی آسٹریلیا قریب قریب قدیم عہد حجری کی زندگی بسر کرتا تھا اس لیے کہ پتھر کے صیقل شدہ اوزار موجود نہیں تھے۔ اس کے علاوہ نسل کے لحاظ سے بھی آسٹریلیا کے اصلی باشندے سوا افریقی اور دوسرے حبشی النسل لوگوں کے واقعی ایک ابتدائی نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور ان کی کھوپری اور ہڈیاں نیانڈر تھالیوں سے اور بالوں کی کثرت اور بہت سی دوسری خصوصیات ابتدائی یورپی نسلوں سے مشابہت رکھتی ہیں۔ اسی سے یہ نظریہ پیدا ہوا ہے کہ کل انسان آسٹریلیا والوں کی اولاد سے ہیں۔ جغرافی حالات

اور تاریخ تمدن کے مشاہدات کے لحاظ سے یہ بات اس قابل نہیں کہ اس پر غور کیا جائے لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک نہایت پرانی تہذیب اور نسل آسٹریلیا میں اب تک موجود ہے۔ ہندستان کی وڈو قوم اور جنوبی ہند کے جنگلی قبیلے نسل کے لحاظ سے آسٹریلیا والوں سے بہت کچھ تعلق رکھتے ہیں۔

اولین تہذیب یا اس سے ملتی جلتی تہذیب کا خطّہ جو اس براعظم کے جنوبی مشرقی سرے پر واقع ہے اس کا حال چوتھے باب میں بیان کیا جا چکا ہے۔ باقی حصوں میں سادہ مادری اور ٹوٹمی عناصر خاص ابتدائی لیکن اسی کے ساتھ پیچیدہ شکل میں مخلوط پائے جاتے ہیں۔ بومیرانگ، یعنی اس خمدار لکڑی کا جو ایک خاص طریقے سے پھینکنے پر اسی جگہ لوٹ کر آجاتی ہے ایجاد کرنا کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ وسطی آسٹریلیا میں ڈیری اور ارنٹا قومیں مادری تہذیب رکھتی تھیں مگر اس کے ساتھ ٹوٹمی تہذیب بھی ملی جلی تھی۔ وہ لوگ بھی بعض ملانیشی قوموں کی طرح مباشرت اور حمل کے تعلق سے واقف نہیں تھے۔ اس سے اس نظریے کا ثبوت پیش کیا گیا کہ اسٹریلیا نسل انسانی کا گہوارہ رہا ہوگا۔ لیکن چونکہ مباشرت اور حمل کے تعلق کا حال ان سے بھی زیادہ ابتدائی اولین تہذیب کی حامل قومیں جانتی ہیں اس لیے آسٹریلیا والوں کی اس ناواقفیت کو ان کی طبعی جہالت کا ثبوت نہیں بلکہ بعد کے ان توہمات کا نتیجہ سمجھنا چاہیے کہ روحیں عورتوں کے پیٹ سے بچے پیدا کرتی ہیں۔[1]

---

[1] اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ بعض ملانیشی قومیں یہ ظاہر کرتی ہیں کہ وہ انسانوں میں مباشرت اور حمل کے تعلق کو نہیں جانتیں حالانکہ جانوروں کے معاملے میں وہ اس سے واقف ہیں

قبل یورپی آسٹریلیوی کی سادگی اور کم مائگی کے ثبوت میں ہم ان چیزوں کی ایک فہرست دیتے ہیں جو عام طور پر "ابتدائی قوموں" میں پائی جاتی ہیں۔ مگر ان کے ہاں نہیں ہیں۔ مکانوں کی تعمیر، زراعت کی کوئی شکل، تیر کمان نقلی چہرے، مردوں کی خفیہ انجمنیں (اگرچہ لڑکوں کی بعض محرمی کی رسمیں اس اہتمام سے ادا ہوتی ہیں کہ ان میں قریب قریب خفیہ انجمنوں کی سی شان ہے) کسی قسم کی مذہبی قربانی کی رسم. ماموں کی اہمیت دولھا کا شادی کے بعد دُلھن کے گھر رہنا۔

یہ تہذیبی خصوصیات جو ہر ابتدائی مادری یا مخلوط مادری اور ٹوٹمی تہذیب میں موجود ہوتی ہیں نہ صرف جنوب مشرقی اسٹریلیا کے اوئین تہذیب کی حامل قوموں مثلاً کرنائی اور کوئین بلکہ قبل یورپی آسٹریلیا کی کل قوموں میں معدوم ہیں۔ یہ بات اس وجہ سے اور بھی قابلِ لحاظ ہے کہ شمالی آسٹریلیا کی زبانیں (جن میں وسطی آسٹریلیا کی زبانیں بھی شامل ہیں) ظاہر کرتی ہیں کہ عہد متاخر میں آسٹریلیا کا تعلق ملانیشیا سے تھا اور ممکن ہے انڈونیشیا سے بھی رہا ہو۔ جب نووارد قومیں آکر آسٹریلیا میں بسیں تو ایک لحاظ سے ان کی تہذیب کو تنزل ہوا لیکن اسی کے ساتھ عجیب پیچیدہ قسم کے مذہبی اور معاشرتی تعصبات اور ضرورت سے زیادہ تنظیم پیدا ہو گئی۔ جگہ کی کمی کی وجہ سے ہم بہت سی دلچسپ مثالیں یہاں نہیں دے سکتے۔ صرف تین مثالوں پر اکتفا کرتے ہیں۔ وسطی آسٹریلیا میں "پرارو" طرز کی شادی میں ایک عورت کے کئی شوہر اور ایک مرد کی کئی بیویاں ہونے کا دستور اس طرح مخلوط کر دیا گیا ہے کہ بیویوں اور شوہروں کی تین قسمیں ہو گئی ہیں۔ "عارضی" "اتفاقی" اور معمولی یا "مستقل"۔ اس

عقیدے کی کہ عورتوں کے حمل میں روحوں کو دخل ہے اس طرح تعبیر کی گئی ہے
کہ بوڑھے دانشمند جو جھاڑیوں میں بیٹھے رہتے ہیں حمل پیدا کرتے ہیں اس
طرح کہ جب عورت ان کی جھاڑیوں کے پاس آتی ہے تو وہ اس پر "چرنگا"
(یعنی لکڑی کا ایک صیقل کیا ہوا لمبوترا ٹکڑا جو آسمان سے گرنے والی بجلی
کی نقل ہے) پھینکتے ہیں۔ یہ خیال ان قوموں کے سارے مذہبی اور معاشرتی
عقائد میں موجود ہے۔ آسٹریلیا کے صحرا کی خانہ بدوش قومیں، اس ملک کے
اور سب قدیم باشندوں کی طرح بڑی نیک دل اور بامروّت ہیں اور اپنے
بچّوں سے بہت محبّت رکھتی ہیں۔ لیکن اگر کسی عورت کے کئی بچّے ہوں
اور وہ ان سب کو اٹھا کر نہ چل سکتی ہو تو ایک بچے کو مار ڈالے گی مگر یہ
گوارا نہیں کرے گی کہ مرد اسے اٹھا کر لے چلے۔

ایک طرف حد سے زیادہ پیچیدگی اور دوسری طرف تنزل اور انحطاط
نہ صرف آسٹریلیا والوں اور دوسری طرف ابتدائی قوموں کی خصوصیت ہے
جس کو جغرافی حالات نے دنیا سے الگ کر دیا ہے بلکہ اور سب قوموں کا
بھی خواہ وہ کتنی ہی متمدن کیوں نہ ہوں یہی حال ہوتا ہے جب وہ اپنے
آپ کو مصنوعی قوانین کے ذریعے دوسری قوموں سے الگ کر لیتی ہیں۔
نسلوں کا اختلاط اور تہذیبی تبادلۂ خیالات دو بنیادی اصول ہیں جن کے
بغیر تہذیب و تمدن میں کوئی ترقی نہیں ہو سکتی، کوئی نئے خیالات و تصورات
آرٹ اور مذہب کی کوئی نئی شکلیں پیدا نہیں ہو سکتیں اور انسان کی جسمانی
حالت جو تمدن کے اثر سے ہمیشہ بگڑ جایا کرتی ہے کبھی سُدھر نہیں سکتی۔ یہ دو
اہم سبق ہیں جو ہم عام علم الاقوام اور خصوصاً آسٹریلیا کے حالات کے
مطالعے سے سیکھ سکتے ہیں اور ہمیں سیکھنے چاہییں۔

پندرھواں باب
انڈونیشیا کی کیفیت
تاریخ تمدّن کے لحاظ سے

"انڈونیشیا" "مجمع الجزائر ملایا" یا "ڈچ جزائر شرق الہند" بہت سے جزائر پر مشتمل ہے جن میں سے بعض بہت بڑے اور بعض بہت چھوٹے ہیں۔ ان کا سلسلہ مشرق میں جزائر فلپائن سے لے کر مغرب میں جاوا اور سماترا تک چلا گیا ہے۔

ان کی قبل تاریخی کیفیت یہ تھی کہ دستی تبر اور کتل بنانے کی صنعتیں بہت پُرانے زمانے سے جاری تھیں جو یہ ظاہر کرتی ہیں کہ وسطی عہد حجری میں مادری اور ٹوٹی تہذیبیں خلط ملط ہو چکی ہیں۔ اس سے بعد کی یعنی جدید حجری کی گول تبر کی ترقی یافتہ تہذیب اور چوکور تبر صرف مشرقی **Eastern Islands** جزائر یعنی فلپائن اور ان جزائر میں پائی جاتی ہے جو ان کے شمال میں واقع ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پولینیشی قومیں بحرالکاہل میں اپنے موجودہ وطن جاتے ہوئے یہاں سے گزری ہوں گی۔ پیتل اور لوہے کے زمانے کی تہذیبیں بھی کثرت سے پائی جاتی ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ قدیم چینی خصوصاً ڈانگ سون طرز

کی تہذیب سے گہرے تعلقات رہے ہوں گے۔

جاوا میں دو نہایت قدیم نسلوں کی باقیات کھود کر نکالی گئی ہیں۔ ٹرینیل میں Pithecantropus اور Homo Solorensis کی کھوپریاں ملی ہیں جو انسان اور بندر کی "بیچ کی کڑی" سے بہت زیادہ مشابہ ہیں مگر پھر بھی یقیناً انسان ہی کی ہیں۔

انڈونیشیا کی نسلیں بہت مختلف ہیں مگر اپنے جوڑ کی ہندستانی نسلوں سے بہت کچھ ملتی جلتی ہیں۔

(۱) انڈونیشیا کی سب سے قدیم "وڈو" نسل اُس "وڈو" نسل سے جس کا ذکر ڈاکٹر آنک اشٹیٹ نے یا "بنیادی Dolichoce-phalic نسل سے جس کا ذکر ڈاکٹر گوہا نے کیا ہے بہت مشابہ ہے۔ سلیبس میں ٹوالا، سُماترا میں کیوبو اور بورنیو میں پیونان اور بیوجٹ قومیں اور سماترا اور فلپائن کے درمیان خانہ بدوش جہازراں قوم اور انگ لاؤٹ اسی نسل سے تعلق رکھتی ہیں۔ لیکن ان سب میں قدیم منگولی یا "ابتدائی ملائی" عنصر کم و بیش نمایاں ہے اور انھیں اصلی وڈو نسل ممتاز کرتا ہے۔ تہذیب کے لحاظ سے یہ اولین تہذیب اور مادری زراعتی تہذیب کی درمیانی منزل سے تعلق رکھتی ہیں اور ایک نقطے پر پہنچ کر رک گئی ہیں بلکہ ایک حد تک انحطاط میں مبتلا ہوگئی ہیں خصوصاً سماترا کی کیوبو قوم۔ معاشی حیثیت سے ان کی خصوصیت شکار اور غذا کا جمع کرنا اور مذہبی حیثیت سے مردوں اور ان کی روحوں کا خوف ہے جو ہمسایہ علاقہ ملا کے بونوں میں نہیں پایا جاتا ہے۔

(۲) "قدیم ملائی" نسل کے لحاظ سے زیادہ ترقی یافتہ ہیں اور ان

ہیں بحرِ روم کے علاقے کی نسلوں سے تعلق اور خلط ملط کے آثار نظر آتے ہیں۔ تہذیب کے لحاظ سے مادری تہذیب کے عناصر (مثلاً زراعت، دُولھا کا دُلھن کے گھر رہنا، مشترکہ خاندان، خاص قسم کے مستطیل مکانات، پان کھانے کا رواج وغیرہ) چند ٹوٹمی عناصر اور بہت سے ان عناصر کے ساتھ ملے جُلے ہیں جو ہمسایہ ترقی یافتہ شہری ریاستوں سے لیے گئے ہیں۔ چاول کا استعمال اور ساگو درخت کی کاشت بہت نمایاں ہے۔ سماترا کی منانگ کباؤ قوم قدیم ملائی کی نسل کی وہ شاخ ہے جو قطعی طور پر مادری تہذیب کی حامل ہے۔ بورینو کی ڈاٹک اور سیلیبیس کی توراجا قوم میں کوئی واضح علامتیں اس کی نہیں پائی جاتیں کہ ان کا تعلق کسی تہذیب سے ہے۔ میگالیتھی تہذیب انڈونیشیا کی سب زراعتی قوموں میں اہمیت رکھتی ہے لیکن یہ فیصلہ نہیں کیا جا سکتا کہ آیا یہ تہذیب یہاں مادری معاشرت کے ساتھ آئی یا ٹوٹمی یا کسی اور قسم کی پدری معاشرت کے ساتھ۔

(۳) علم الاقوام کے نقطۂ نظر سے تو نہیں مگر کثرت تعداد اور سیاسی اثر کے لحاظ سے انڈونیشیا کی قوموں میں سب سے اہم نوآبادوہ قومیں ہیں جو ہندستان سے آئیں۔ یہ لوگ لکھنے پڑھنے سے اچھی طرح واقف اس لیے اس کتاب میں ان کے ذکر کا موقع نہیں تھا۔ پھر بھی دو وجوہ سے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم ان کے متعلق چند بنیادی امور بیان کر دیں۔ ایک وجہ تو یہ ہے کہ ہندستان کی ترقی یافتہ شہری ریاستوں نے انڈونیشیا کی "ابتدائی" قوموں پر اثر ڈالا۔ دوسری یہ کہ انڈونیشیا کی تاریخ ہندستان کی عام تاریخ خصوصاً ہندستانی مسلمانوں کی تاریخ سے بہت قریبی تعلق رکھتی ہے۔ جس پر عموماً ہندستان میں کوئی توجہ

نہیں کی جاتی۔
ہندستان اور انڈونیشیا میں تہذیبی تعلق پہلے پہل بدھ عہد سے قبل پیدا ہوا جب زیادہ تر جنوبی ہند خصوصاً مغربی ساحل کے ملایا کم بولنے والے علاقے اس کے علاوہ بنگال سے تہذیب کے ہراول مغربی انڈونیشیا پہنچے۔ بدھ عہد کے شروع میں باقاعدہ نوآبادیاں قائم ہوئیں۔ صناع، مبلغ، راجا اور بیوپاری انڈونیشیا میں جاکر آباد ہوئے اور انھوں نے ریاستوں، مذہبی اور غیر مذہبی اداروں کی بنیاد ڈالی۔ خصوصاً سری شنکر اچاریا کی تحریک جدید کے بعد جب ہندو مذہب والے بدھوں پر تشدد کرنے لگے تو ان میں بہت سے بھاگ کر انڈونیشیا پہنچے اور وہاں انھوں نے بدھ مذہب اور ہندستانی تہذیب کو پھیلانے میں مدد دی۔
جاوا اور سماترا میں بڑی بڑی ریاستیں قائم ہوئیں مثلاً چوتھی صدی عیسوی میں سری وجے کی ریاست جس کا اثر بورینو تک پہنچا تھا اور ایک ہزار سال بعد ماجا پہت ریاست۔ ملایو بھی ایک زبردست سلطنت تھی جس کے نام سے انڈونیشیا کی سب قومیں غلطی سے "ملائی" کہلانے لگیں۔ بدھ مت نے یہاں علوم و فنون اور آرٹ کے اعلےٰ مرکز قائم کیے۔ چین اور ہندستان کے جاتری یہاں آیا کرتے تھے۔ مشہور عالم عمارتیں مثلاً بورو بدور کا بدھ ٹوپ اس تہذیب کی شان و شوکت کی گواہ ہیں۔ بہ خلاف ہندستان کے جہاں بدھ مت اور ہندو مذہب ایک دوسرے کے جانی دشمن تھے۔ یہاں دونوں امن و امان سے ساتھ ساتھ رہتے تھے۔ اسی سے انڈونیشیا اور جنوبی مشرقی افریقہ کا مخصوص "شیو بدھ" کا تصور پیدا ہوا۔ اسی طرح اسلام نے بھی انڈونیشی

قوموں کے دلوں پر بغیر ان کی قومی روایات کو مٹائے ہوئے قبضہ کر لیا۔
جس طرح کمبوڈیا اور ایک حد تک ملا بار میں اُسی طرح یہاں بھی ہمیں
سلمان منانگ کابو قوم نظر آتی ہے جس نے اپنے مادری معاشرتی نظام
کو قائم رکھا۔ یہ انڈونیشی اسلام اور انڈونیشی قوموں، دونوں کی خوش قسمتی
تھی کہ اسلام یہاں جنگجو حملہ آوروں کے مذہب کی حیثیت سے نہیں
بلکہ صلح پسند تاجروں اور جہازرانوں کے پاکیزہ، سادہ اور بلند مذہب
کی حیثیت سے آیا۔ تیرھویں صدی میں اسلامی اثر کا دھارا دو طرف سے
آیا ایک عمان سے دوسرے گجرات سے۔ اس کے بعد مختلف ریاستیں
اور سلطنتیں قائم ہوئیں، جن میں سے بعض اب تک باقی ہیں اگرچہ ڈچ
قوم کی باج گزار ہیں۔ شمالی بورنیو میں برنائی، برطانوی بورنیوں میں
سراوک، ہالماہیر کے شمالی حصے میں ٹرنیٹ اور مغربی حصے میں ٹڈور
اسی قسم کی ریاستیں ہیں۔ یہاں "ملائی" تاجروں کا ایک خاص طبقہ پیدا
ہوگیا ہے۔ آگے چل کر پرتگالی اسپینی، ڈچ اور آخر میں جبشی اثرات پڑے۔
چین کا اثر قبل تاریخی زمانے میں بھی پہنچا تھا لیکن اب یہ جاپان کے
تجارتی اور دوسرے مقاصد کے ساتھ آیا۔ ان سب کی بدولت انڈونیشیا
میں تہذیب کی وہ رنگا رنگی نظر آتی ہے جو شاید دنیا کے بڑے شہروں
پیرس، لندن، نیویارک اور سین فرانسسکو کو چھوڑ کر اور کہیں نہ ہوگی۔
اگر مشرق بعید اور آسٹریلیا کی معاشی اور سیاسی اہمیت میں اضافہ ہوتا
رہا اور دنیا کے مختلف حصوں میں آمد و رفت بڑھتی رہی تو انڈونیشیا
نئے سرے سے تہذیب و تمدن کا ایک اہم مرکز بن جائے گا۔

سولھواں باب

ہندستان کے علاوہ باقی ایشیائی ملکوں کی کیفیت

(۱) جنوب مشرقی ایشیا۔ یہ خطہ آثار قدیمہ، تاریخ تمدن اور ایک حد تک نسلی خصوصیات کے لحاظ سے انڈونیشیا سے بہت ملتا جلتا ہی بلکہ اس سے بھی زیادہ پیچیدہ اور مختلف عناصر سے مرکب ہی جن میں بونوں کی اولین تہذیب سے لے کر سیام کی جدید طرز کی ریاست تک، شامل ہی۔ اس لیے ہم اس کا مفصل ذکر نہیں کر سکتے۔ صرف چند امور پر جن میں سے بعض پچھلے بابوں میں ہماری نظر سے گزر چکے ہیں۔ روشنی ڈالیں گے۔ ملاکا کے بونے ایک ایسی تہذیب کے حامل ہیں جو اولین تہذیب کی بہت واضح شکل ہی۔ جنوب مشرقی ایشیا کے آثار قدیمہ کی شہادت سے ثابت ہوتا ہی کہ پولی نیشی اس راستے سے گزرے ہوں گے۔ یہاں کی زبانیں دو بڑے خاندانوں سے تعلق رکھتی ہیں یعنی آسٹریلوی ایشیائی خاندان (جس کی ایک شاخ انڈونیشیا، پولی نیشیا اور ملینیشیا کی زبانوں پر مشتمل ہی) اور تبتی چینی خاندان۔ وا، پالونگ، ریونگ، ہون، کھمیر، نکوباری زبانیں اور آج کل ملاکا کی سمانگ قوم کی زبان آسٹریلوی ایشیائی خاندان

سے ہیں۔ اسی زمرے میں وسط ہند کی منڈا زبانوں اور آسام کی کھاسی زبان کو بھی شمار کرنا چاہیے۔ تبتی چینی زبانوں کے وسیع خاندان کی دو شاخیں ہیں:۔

(الف) تبتی برمی، جس میں برمانی، موسو، لِسو، لولو، بوڈو اور بالائی برما اور آسام کی ناگا قوموں کی مختلف زبانیں شامل ہیں۔ آسام کی گارو زبان اور تبت کی زبانیں بھی اسی ذیل میں ہیں۔

(ب) تائی چینی جس میں سیامی، تائی اور "لاؤ" زبانیں شامل ہیں۔ تائی قوم (جو چینی زبان میں "لاؤ" کہلاتی تھی) ۱۲۵۰ ق۔م میں جنوبی چین کی وادی یانگشی کیانگ میں رہتی تھی اور اس کے بعد ہجرت کرکے سیام اور برما چلی آئی۔ یہ ابھی حال کی یعنی تیرھویں صدی عیسوی کی بات ہے۔ چین اور ہندستان کی اعلےٰ درجے کی ترقی یافتہ تہذیبوں کے قومی اثرات جنوب مشرقی ایشیا کے سب حصوں میں ہمیشہ موجود رہے۔ کمبوڈیا اور فرانسیسی انڈوچائنا میں چین کا اثر غالب تھا اور سیام اور برما میں ہندستان کا۔ اولین تہذیب کے حامل بونوں کے پڑوس میں، مادری تہذیب کی پہلی منزل کا رنگ سنائیے اور جاکوڈ قوم اور جزائر نکوبار کے باشندوں میں اب تک باقی ہے۔ جنوب مشرقی ایشیا کے پہاڑی خطّے میں ناگا اور اسی قسم کے دوسرے قبائل میں مادری تہذیب کی دوسری منزل ٹوٹمی عناصر اور قومی میگالیتھی اثرات کے ساتھ مِلی جُلی نظر آتی ہے۔ سرکاٹنے کی رسم اپنے ذیلی تہذیبی متعلقات کے ساتھ نمایاں ہے۔ پولی نیشیوں کی ہجرت کے آثار ہر جگہ پائے جاتے ہیں۔

(۲) **چین**۔ ایک بہت قدیم تہذیب کے آثار جو کھدائی کے ذریعے

ہوانگ ہو میں دریافت ہوئے ہیں مثلاً نفیس مٹی کے برتن اور ایک
قسم کی تحریر کے نشانات اس خیال کی تائید کرتے ہیں کہ جدید عہد حجری
میں اس خطے کے تعلقات وسطی ایشیا کے زرخیز میدانوں، جنوبی روس
اور وادی ڈینیوب سے تھے۔ ابتدائی چین کا رسم الخط مادی تہذیب
علم نجوم، اور شہنشاہ کی خدائی کا نجومی تصور ظاہر کرتا ہے کہ اس کا عراق عرب
سے بہت پُرانا تعلق تھا اور ممکن ہے کہ مہنجوداڑو سے بھی ہو۔
بیرن ہائنے گیلڈرن اور دنیا کی مس روڈ ٹاوشہ نے مہنجوداڑو، ابتدائی
چین اور مشرقی جزائر کی بعض چیزوں میں باہمی مشابہت دریافت کی
ہے۔ ممکن ہے کہ پولی نیشیوں نے جو شاید مغرب سے آئے تھے اور
چین اور جنوب مشرقی ایشیا ہوتے ہوئے پولی نیشیا پہنچے تھے واسطے
کا کام دیا ہو۔ نیوزی لینڈ کی ماوری تہذیب کے بعض طرزوں کا چین
کے عہد حجری کی تہذیبوں سے مشابہ ہونا اس کی پُرزور تائید کرتا ہے۔

ابتدائی چینی زبان میں جو نشان "خاندان" کے لفظ کے لیے ہے
وہ انھیں اجزا سے مرکب ہے جن سے "ماں" کا لفظ بنتا ہے (چینی زبان
میں الگ الگ حروف علت اور حروف صحیح کے لیے کوئی علامات
یعنی "حروف" نہیں ہیں جیسے لاطینی، یونانی اور ہماری زبانوں میں ہیں
بلکہ پورے الفاظ یا ان کے مجموعوں کے لیے نشانیاں ہیں)۔

خانہ بدوش گلہ بانوں کی تہذیب بارھویں صدی قبل مسیح میں ترکی
منگولی فاتحوں کے حملے کے ساتھ آئی۔ یہ لوگ اپنے ساتھ گھوڑے اور
پہیے دار گاڑیاں بھی لائے۔ اس زمانے میں جو چین کی تاریخ میں عہد
چو کہلاتا ہے چین کی حکومت اور اثر وادی یانگتسی کیانگ تک پہنچ گیا۔

ایک اور اہم دور عہد ہان تھا جو ۲۰۲ ق۔م سے ۲۲۰ء تک رہا۔ اس زمانے میں پورا جنوبی چین اور انڈونیشیا کا کچھ حصّہ چین کی ماتحتی میں آگیا اور بدھ مذہب چین میں داخل ہُوا۔ اس نے آئندہ صوبوں میں چین کے تہذیب و تمدّن کو بہت کچھ بدل دیا اور چین سے جاپان وسط ایشیا اور جنوبی روس تک پہنچ گیا جہاں اس نے قدیم عیسوی مذہب پر بہت کچھ اثر ڈالا۔ اس کے علاوہ ان دونوں عظیم الشان مذاہب کو ایک دوسرے سے ایران، ملابار، جنوبی عرب اور مصر میں بھی سابقہ پڑا جہاں مغربی ملکوں اور ہندستان کے تاجر نہ صرف مادی بلکہ تہذیبی مال کا بھی مبادلہ کیا کرتے تھے۔

چودھویں صدی عیسوی میں تاریخ چین کے عہد تانگ میں بدھ مذہب سرکاری مذہب تسلیم کر لیا گیا۔ یہ عہد وسطی میں چین کے لیے بڑی ترقی کا زمانہ تھا۔

بدھ مذہب سے پہلے کا چینی مذہب قدیم رسوم و روایات پر مبنی تھا جس کی چین کے جیّد حکیم لاؤتسے نے چھٹی صدی قبل مسیح کے آخر میں نئے سرے سے تشکیل کی اور اس میں گہرائی پیدا کرکے جان ڈال دی۔ کنفیوتسے نے جو لاؤتسے کے کچھ دن بعد پیدا ہُوا قدیم چینی تہذیب کی سیاسی اور معاشرتی روایات کا ایک ضابطہ بنا دیا۔ اس نے ان عناصر پر جو خانہ بدوش گلہ بانوں کی تہذیب سے لیے گئے تھے اور اپنے ملک کی زاہدانہ روایات پر بہت زور دیا۔ قدیم مادری تہذیب میں بزرگوں کی پرستش کی جو رسم تھی اس نے پدری تہذیب کے اثر سے باپ کی پرستش کی شکل اختیار کرلی۔ پھر بھی چینیوں کی خانگی زندگی میں

ماں کی عظمت کو بہت کچھ دخل رہا۔ خدا اور آسمان کو ایک سمجھنا جو کیفیوسنس کے مذہب کی خصوصیت ہی بالکل خانہ بدوش گلہ بانوں کے رنگ میں ہی۔ آگے چل کر ایک اور مصلح مینگیتے نے اس نظام میں زیادہ گہری مذہبی روح پھونکی۔

کنفیوشی، ٹاؤ (لاؤ تسے کا مذہب) اور بدھ تینوں مذہب چینیوں کے دلوں میں اور ان کے مندروں میں گھل مل کر رہتے ہیں جیسے انڈونیشیا میں ہندو مذہب اور بدھ مذہب شیو بدھ کی پوجا کی شکل میں۔ چین میں دوسری تہذیبوں کو جذب کرنے کی بہت بڑی قوت ہی۔ جس حد تک چین کے یہودیوں اور مسلمانوں کو چینی تہذیب نے اپنے اندر جذب کر لیا اتنا دنیا کے کسی اور ملک میں کوئی قومی تہذیب نہیں کر سکتی۔

شمالی ایشیا۔ یہ خطہ ہزار ہا سال سے خانہ بدوش گلہ بانوں کی تہذیب کا گھر ہی لیکن اس میں خصوصاً مشرق کی طرف بعض اثرات مادری تہذیب کے پائے جاتے ہیں اور شاید ٹوٹمی تہذیب کے بھی۔ کم سے کم بالائی وادی ہوانگ ہو میں بیارا، اوسو اور گول میں ابتدائی عہد حجری کی اور شیارا اکھ کی وسطی عہد حجری کی کتلوں کی صنعت سے یہی نتیجہ نکالا گیا ہی۔ انگارا اور سائبیریا کے مختلف مقامات پر عہد وسطی کی کتلوں کی صنعت، اور مینگھن کی مفروضہ "ہڈیوں کی تہذیب" کے نمونے اور ایک خاص طرز کے مٹی کے برتن جن پر کنگھی کے دندانوں کے نقش بنے ہیں پائے گئے ہیں۔ آگے چل کر منوسنک کے خطے میں پیتل کی صنعت نے فروغ پایا جس سے ظاہر ہوتا ہی کہ اس خطے

کے تعلقات شمالی یورپ اور عہد ڈانگ سون میں چین سے تھے جس نے مشرقی ایشیا میں پیتل کی صنعت کے فروغ کے زمانے میں انڈونیشیا پر بہت اثر ڈالا تھا۔

نسل کے لحاظ سے سب سے نمایاں قدیم سائبیری عنصر ہے جس میں یورپی رنگ بالکل صاف نظر آتا ہے اور آسٹریلوی نسل سے بھی مشابہت پائی جاتی ہے۔ قدیم اسکائتھ اور ساکین قومیں اسی نسل سے تھیں اور آج کل شمالی جاپان اور سکھالین میں آئنو قوم ہے۔ اس کے بعد منگولی نسل کی باری آتی ہے جس سے کوہ یورال کے علاقے میں رہنے والی فنی، ہنگروی، قدیم ہن اور ترکی کی زبانیں بولنے والی قومیں بھی تعلق رکھتی ہیں۔ گول سر کسی قدر "چری ہوئی" آنکھیں، ابھرے ہوئے جبڑے عموماً چھوٹا قد اور گٹھا ہوا جسم، زردی مائل رنگ اس نسل کی علامتیں ہیں۔

شمالی ایشیا کی زبانیں بھی ایک حد تک نسلوں کی طرح دو قسموں میں منقسم ہیں۔ ایک قسم میں متفرق زبانیں یوکاگیر، چکچی، کمچاڈلی، کوریاکی لاموٹ، اور آئنو وغیرہ شامل ہیں جن میں زیادہ قدیم نسلوں کے بچے کھچے لوگ بولتے ہیں۔ دوسری قسم یورالی الٹائی زبانوں کی ہے جس کی کئی شاخیں ہیں۔ ایک یورالی شاخ ہے جو فنی یوگری (وسط یورپ کی ہنگروی زبانوں) اور سموئیڈی زبانوں پر مشتمل ہے۔ دوسری الٹائی شاخ ہے جو ترکی، منگولی مانچو تنگوسی زبانوں پر مشتمل ہے۔ ممکن ہے کہ کوریائی، جاپانی اور اسکیمو زبانوں کی اصل بھی یہی ہو۔ ینیسی وادی کی کیٹو زبانیں تبتی چینی زبانوں کے خاندان سے تعلق رکھتی ہیں۔

شمالی ایشیا کی کیفیت تاریخ تمدن کے لحاظ سے پہلے ہی اوپین

تہذیبی دائرے اور خانہ بدوش گلہ بانوں کی تہذیب کے سلسلے میں بیان کر چکے ہیں۔ انتہائی شمال میں متفرق قومیں نظر آتی ہیں مثلاً چکچی اور اندرون ملک کی کوریا کی قوم جن میں "اولین تہذیب" کی کم و بیش واضح شکل جو اسکیمو تہذیب سے ملتی جلتی ہے اب تک باقی ہے۔ اس کے بعد کی درمیانی منزل میں ہرن پالنے والے سموئیڈی چکچی اور کوریاک قبائل، ایونکی اور تنگوسی قومیں ہیں۔ یہ ارتقا کی اس منزل کی یادگار ہیں جو خانہ بدوش گلہ بانوں کی تہذیب کی بنیاد تھی۔ چکچی، کوریاک اور دوسری قوموں کے بعض قبائل بحری جانوروں کا شکار کرتے تھے اور بعض شمالی ہرن پالتے تھے۔ اول الذکر میں اسکیمو قوم کی طرح مادری تہذیب کا رنگ غالب ہے اور آخر الذکر میں خانہ بدوش گلّہ بانوں کی تہذیب کا۔

خانہ بدوش گلّہ بانوں کی تہذیب کا پورا رنگ سائبیریا کے منگولیوں اور ترکوں، وسط ایشیا کی ہندی یورپی اور سامی حامی قوموں میں صاف طور پر نمایاں ہے۔ انھیں قوموں سے یورپ، ہندستان، مشرق قریب، عرب اور شمال مشرقی افریقہ کی موجودہ مخلوط اور اعلےٰ درجے کی ترقی یافتہ قوموں کا سلسلۂ نسل ملتا ہے۔ ان سب کا اصلی گھر وسط ایشیا میں تھا اور وہاں سے ہجرت کر کے مختلف ملکوں میں گئی تھیں۔ ہر ملک میں پہنچ کر ان کی نسل اور تہذیب اس ملک کے اصلی باشندوں کی نسل اور تہذیب کے ساتھ گھل مل گئی۔ یہ اصلی باشندے اکثر بستیوں میں رہنے والے زراعت پیشہ یا شہروں کے رہنے والے تھے جیسا کہ ہم مادری تہذیب کے باب میں کہہ چکے ہیں۔

اس مسئلے پر کہ آیا یورپی تہذیب کا وہ عنصر جو خانہ بدوش گلّہ بانوں

سے تعلق رکھتا ہے وسط افریقہ سے آیا تھا یا بحر منجمد شمالی کے علاقے کے کسی ملک سے، یورپ کے بعض مورخوں اور لسانیات اور آثار قدیمہ کے ماہروں نے بڑی بڑی بحثیں کی ہیں۔ ان دونوں نظریوں کی تائید میں بہت سی دلیلیں پیش کی گئی ہیں جن کو دہرانے میں بہت طول ہوگا۔ لیکن و۔ کوپرس نے اس بارے میں جو تحقیقات کی وہ علم الاقوام کا ایک جز اور اس نے غالباً اس مابہ النزاع مسئلے کو قطعی طور پر حل کر دیا ہے انھوں نے قدیم یورپیوں کی معاشرت اور مذہب کے مختلف عناصر کا خانہ بدوش گلہ بانوں کی تہذیب سے مقابلہ کیا اور اس نتیجے پر پہنچے کہ یورپ آنے سے پہلے یہ لوگ وسط ایشیا میں ترکی منگولی قوم کے پڑوس میں رہتے ہوں گے اور ہندستان کی قبل آریائی شہری ریاستوں سے کچھ نہ کچھ تہذیبی تعلقات رکھتے ہوں گے۔ اسی وجہ سے مادری تہذیب کے کچھ اجزا جن کو کوپرس "جنوبی عناصر" کہتا ہے انڈو یورپی قوموں کی تہذیب میں شامل ہو گئے اس سے پہلے کہ وہ دو شاخوں میں تقسیم ہوئیں اور ان کی ایک شاخ ہندستان اور دوسری یورپ اور بحر روم کے علاقے میں پہنچی۔ اس لحاظ سے کوپرس کے وہ مضامین اور وہ کتاب جو اس نے "اشومیدھ" یعنی ہندستان میں آریوں کے گھوڑوں کی قربانی پر لکھی ہے خاص طور پر دلچسپ ہے۔ اس نے دکھایا ہے کہ قدیم روما، یونان اور اسکینڈیویا میں اس سے ملتی جلتی رسمیں موجود تھیں۔ ان واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ وسیع نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو یورپ یوریشیا کے زبردست براعظم سے تعلق رکھتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ جو مختلف تہذیبیں وسط ایشیا کے خانہ بدوش گلہ بانوں کے آنے سے پہلے یہاں موجود تھیں وہ اپنی

جداگانہ حیثیت رکھتی تھیں۔ لیکن وہ سب بہت کچھ مشرق قریب اور ہندستان ایک حد تک مصر اور مغربی افریقہ کے تہذیبی مرکزوں سے وابستہ تھیں۔ لیکن چونکہ ان قدیموں کی تحقیقات علم الاقوام کے تحت میں نہیں بلکہ آثار قدیمہ کے تحت میں کی گئی ہے اس لیے ہم ان کی تاریخ اور ان کی خصوصیات یہاں بیان نہیں کر سکتے۔ صرف اتنا کہہ سکتے ہیں کہ اسپین میں باسک قوم آئرلینڈ اسکاٹ لینڈ اور مغربی یورپ کے دوسرے حصوں میں گال اور کیلٹ قوموں، البانی تہذیب کے بعض پہلوؤں، قفقاز کی قوموں اور یونان اور ترکی کے بعض لوگوں میں اس قدیم تہذیب کے عناصر اب تک باقی ہیں۔ یہ عناصر خانہ بدوش گلہ بانوں کی تہذیب سے مل کر جو ہندی یورپی قوم کے کئی ریلوں اور پھر یورالی التائی فاتحوں (آوار، ہن، مگیار اور عثمانلی) کے ساتھ آئی۔ عہد وسطی اور عہد جدید کے یورپ کی تہذیب کا پس منظر تیار کرتے ہیں۔

ساما نیت ایک مذہبی معاشرتی اور نفسیاتی چیز ہے جو خانہ بدوش گلہ بانوں کی تہذیب کی خصوصیت ہے مگر بعض اور ابتدائی اور ایک حد تک متمدن قوموں میں بھی پھیل گئی ہے۔ اس کے آغاز اور نشوونما کی تاریخ ابھی صحیح طور پر نہیں معلوم ہوئی ہے۔ ممکن ہے شمالی ایشیا میں مادری تہذیب کے اثر سے شامانیت پہنچی ہو خصوصاً اس کے شمال مشرقی گوشے میں جو مادری تہذیب سے متاثر تھا۔

شامانیت کی بنا اس عقیدے پر ہے کہ بعض اشخاص مرئی اور غیر مرئی دنیا کے درمیان واسطے کا کام دیتے ہیں۔ غالباً "شامان" کا اصلی تصور ایک بلند تصور تھا جیسے دنیا کے بڑے مذاہب میں پیغمبر کا ہے۔

اگر یہ حقیقت ہو تو سمجھنا چاہیے کہ شامانیت اب مسخ ہو کر رہ گئی ہو۔ آج کل کے "شامان" یا تو جان بوجھ کر فریب دیتے ہیں یا ہسٹیریا وغیرہ کے مریض ہوتے ہیں۔

ان کی دو بنیادی قسمیں ہیں:۔

(۱) الہامی شامان، ان پر ایک بے خودی کی کیفیت طاری ہو جاتی ہو اور یہ کچھ الفاظ کہتے ہیں یا کچھ اشارے کرتے ہیں جن کے متعلق یہ سمجھا جاتا ہو کہ یہ روحوں کے الفاظ یا اشارے ہیں جو شامانی پجاریوں کے ذریعے سے دوسروں تک پہنچتے ہیں۔

(۲) غیر الہامی شامان، جن کے متعلق یہ عقیدہ ہو کہ بے خودی کے عالم میں ان کی روح جسم کو چھوڑ کر غیر مرئی عالموں کی سیر اور روحوں سے ملاقات کرتی ہو اور وہاں سے کوئی حکم یا خوش خبری یا پیام لے کر آتی ہو۔

شامانیت بھی منگالیتھی طرز کی طرح کوئی خاص تہذیب نہیں ہو اور نہ پدری یا مادری یا کسی اور تہذیبی دائرے کا جز ولاینفک ہو۔ وہ ایک تہذیب سے دوسری تہذیب اور ایک قوم سے دوسری قوم میں پھیلی ہو اور اب بھی پھیل رہی ہو۔ وہ جن قوموں میں جاتی ہو اس کے ہاں خدا کے جو نام، جو خیالات و تصورات، مذہبی اور معاشرتی رسوم ہوں انھیں بڑی فراخ دلی سے اختیار کر لیتی ہو مگر ان سب پر اپنا سکہ ضرور بٹھا دیتی ہو۔ خاکسار مؤلف کو فرخ آباد ضلع محبوب نگر (ممالک محروسہ حیدر آباد) میں چنچو قوم کی مہادیو پوجا دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ ان ابتدائی ٹوٹی لوگوں میں جو اس رسم کو ادا کر رہے تھے غالباً شیو دیوتا کی پوجا بھی

بیرونی اثرات کا نتیجہ ہے اور نشے میں مست پجاری کا وجد اور حال تو یقیناً
باہر سے آئی ہوئی چیز ہے۔ پجاری نے قربانی کے لیے ایک مرغے کا
سر کاٹا اور صرف یہی ایک چیز اس ساری رسم میں اصلی چنچورو ابات
سے تعلق رکھتی تھی۔ اسی طرح اس میں کوئی شبہہ نہیں ہو سکتا کہ آج
کل جو نیم سائنس داں روحوں کو بلانے کے عمل کرتے ہیں یہ شامانیت
کی یادگار یا اس کی تجدید ہے۔

اگرچہ شامانیت کوئی معینہ تہذیب نہیں ہے پھر بھی بعض تصورات،
رسوم اور مادی لوازم اس سے وابستہ ہیں۔ ان میں سے ایک یہ عقیدہ
ہے کہ شامان اپنے بے روح جسم کو زمین پہ چھوڑ کر پرواز کرتا ہے اور پھر
واپس آجاتا ہے اور یہ خیال کہ اس کا ایک ہمزاد محافظ ہوتا ہے اور اُسے
کسی خاص جانور سے ایک انفرادی تعلق ہوتا ہے (جسے ٹوٹمی تصور سے
کوئی واسطہ نہیں) اس میں عقاب خاص اہمیت رکھتا ہے۔ ممکن ہے کہ
اہل روما کا عقاب بھی ابتدا میں شامانی علامت رہی ہو۔ اسی طرح
شامان کا تعلق درخت اور سیڑھی سے شامانیت کا ایک مخصوص تصور ہے۔
شامان کے پاس ایک قسم کا طبلہ ہوتا ہے جو انسان کی کھوپڑی پر انسان
کی کھال منڈھ کر بنایا جاتا ہے۔ اکثر شامانیت مسخ ہو کر انسانی قربانی،
مردم خوری، انگارے کھانے اور اسی قسم کے دوسرے شعبدوں کی
شکل اختیار کر لیتی ہے۔ شامان کا تعلق تہوار سے، یہ خیال کہ وہ بیماروں
کو اچھا کر سکتا ہے لیکن سب سے زیادہ یہ دستور کہ وہ عورتوں کے کپڑے
پہنتا ہے اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ شامانیت کی ابتدا مادری تہذیب
دائرے میں ہوئی ہوئی۔ شامانی پجاری کے لیے یہ ضروری نہیں کہ وہ

اس مذہب کا باقاعدہ پجاری ہو جو اس کی قوم میں رائج ہے۔ ممکن ہے کہ وہ معمولی آدمی ہو بلکہ اکثر اپنی قوم یا مذہب کے باضابطہ پیشواؤں کا حریف ہوتا ہے۔ یہ کام وہ اپنے طبعی رجحان سے یا کسی خواب کی بنا پر یا آبائی پیشے کے طور پر اختیار کرتا ہے۔ یہ موروثی شامانیت کہ یاک، یوکاگیری، چکچی، کمچاولی اور شمالی سائبیریا کی دوسری قوموں میں پائی جاتی ہے۔ شاید شامانیت مشرقی ایشیا کی مادری تہذیبوں میں شروع ہو کر شمالی ایشیا میں پہنچی اور وہاں اسے سازگار ماحول پایا، پھر وہاں سے قبل یورپی عہد میں شمالی افریقہ پہنچ کر عام طور پر رائج ہو گئی۔

جنوبی امریکا میں اینڈیس کی ترقی یافتہ تہذیبیں شامانیت سے متاثر تھیں بلکہ فائرلینڈ کی ابتدائی تہذیبوں پر بھی اس کا اثر پڑا تھا۔ انڈونیشیا، ملانیشیا، مکرونیشیا اور پولی نیشیا (جہاں یہ عقیدہ ہے کہ پجاری کو الہام ہوتا ہے اور دیوتا اس میں حلول کرتا ہے) شامانیت کے مرکز ہیں۔ افریقہ میں شامانی رنگ عام ہے خصوصاً سوڈان میں۔ افریقی بونے، جنوب مشرقی افریقہ کے جھاڑی والے اور بازلی اس سے پاک ہیں۔ آسٹریلیا میں قبل یورپی زمانے میں شامانیت کا نام تک نہیں تھا۔ ملاکا میں سمانگ قوم باوجود اولین تہذیب کی حامل ہونے کے بھوتوں کی روحوں کا عقیدہ رکھتی ہے جو ایک نیم شامانی تصور ہے۔ ادب العوام کی تحقیقات کی رو سے منگولی قوموں میں، تبت کے بون پجاریوں کے مذہبی عقیدوں میں اور یورپ کے بہت سے کسانوں میں شامانیت موجود ہے۔ سائبیریا آج تک شامانی عقائد اور رسوم کا مرکز ہے۔ یہ بڑی دلچسپ بات ہے کہ سوویٹ روس میں شامانیت بڑی آسانی سے اس تحریک کے ساتھ کھپ گئی جو مذہب

کی مخالفت میں اٹھائی گئی ہے اور اسے اس تحریک سے اتنا نقصان نہیں پہنچا جتنا عیسائیت، اسلام، یہودیت اور بدھ مت کو۔

(۲) تبت۔ اس سطح مرتفع میں جو دنیا سے الگ تھلگ واقع ہے بہت سی قدیم تہذیبوں کے عناصر اب تک موجود ہیں اور ان اثرات کے ساتھ مل جل گئے ہیں جو عہد متاخر میں ہندستان اور چین کے ساتھ آئے۔ شمالی (تبت کے) یعنی مہاین طریق کے بدھ مذہب کا اثر قدیم عیسوی مذہب اور اسلام خصوصاً اسلامی تصوف پر اس سے پڑا ہے جتنا عام طور پر تسلیم کیا جاتا ہے۔

تبت کی تہذیب کے بنیادی عناصر یقیناً خانہ بدوش گلہ بانوں کی تہذیب سے ماخوذ ہیں لیکن شمال مشرقی ایشیا کی ابتدائی مادری تہذیبوں کے اثرات جن سے منگولیوں اور بعض ترکی قوموں نے زراعت سیکھی اور بحر منجمد شمالی کے علاقے والوں نے مادری مذہبی اور معاشرتی تصورات لیے، تبت میں بھی ضرور پہنچے ہوں گے اور انھوں نے اس کی تہذیب کی ارتقا میں حصہ لیا ہوگا۔

تبت کے لاماؤں میں بنگالی طرز کی شیو شکتی اور کالی پوجا کے تنتری عناصر موجود ہیں جو باہر سے آئے ہیں۔ بون پو کی شامانیت کی شکل میں سائبیریا کا اور نسطوری عیسوی مذہب کے ذریعے سے مغرب کا اثر بھی پڑا ہے۔ پدم سمبھو نے لال ٹوپی والے پجاریوں کے فرقے کی بنیاد ڈال کر شامانی عنصر کو اور تقویت پہنچا دی۔ تسون کاپا اور پیلی ٹوپی والے پجاری راسخ العقیدہ اصلاحی تحریک کے نمائندے ہیں۔ نقاب پوشوں کا ناچ، خوفناک روحیں، انسانی قربانی کی یادگار (جو اب صرف انسان کی شکل کی

رونٹ کے ذریعے سے ادا کی جاتی ہی) نجات دہندہ اوتاروں یا بودھستاوں اور دیوی ماتاؤں کی اہمیت یہ سب چیزیں مہاین طریق کے شمالی بدھ مذہب میں مادری تہذیب کے اثرات ظاہر کرتی ہیں۔ اس بُدھ فرقے کے عقیدے کے مطابق بودھستاو یعنی بودھ کے اوتار اپنی ابدی سعادت اور عظمت کو چھوڑ کر دنیائے فانی میں آتے ہیں تاکہ اس قربانی کے ذریعے سے مصیبت زدہ نوع انسانی کو نجات دلائیں۔ بہ خلاف اس کے ہن این یا جنوبی بُدھ مذہب جو لنکا، برما اور سیام میں رائج ہی یہ عقیدہ رکھتا ہی کہ بودھ کا کام صرف حق کی تلقین کرنا تھا اور ہر انسان کو اپنی ذاتی کوشش سے نجات حاصل کرنی ہی۔ شمالی یا مہاین بُدھ مذہب میں ہمیں ایثار کرنے والے نجات دہندہ یا چاند کے اوتار کا عقیدہ جو مادری تہذیب کا قدیم تصور ہی صاف نظر آتا ہی اگرچہ اس نے ایک برتر شکل اختیار کرلی ہی۔

بدھ مذہب کی تبتی شکل کو اکثر منگولیوں نے چنگیز خاں کے بعد گیارھویں صدی میں اور قلمانیوں نے تیرھویں صدی میں اختیار کیا۔

شمالی ایشیا کا تہذیبی علاقہ جو خانہ بدوش گلہ بانوں کی تہذیب کا ایک بڑا مرکز اور ان گھڑ چڑھی قوموں کا گھر تھا جنھوں نے آس پاس کے سب ملکوں مشرقی افریقہ، مغربی یورپ، جنوبی چین اور جنوبی ہند تک فتح کرکے ان میں سکونت اختیار کی۔ اس طرح اسی علاقے نے دنیا کی تہذیب پر بڑا زبردست اثر ڈالا۔ اس سلسلے میں گھوڑوں کو سدھا کر ان سے کام لینے اور پہیے دار گاڑی بنانے کو بہت بڑی اہمیت حاصل ہی۔ اس لیے کہ ان دونوں چیزوں کی بدولت شمالی ایشیائی قوموں کی جنگی قوت

بہت بڑھ گئی۔ بڑھتی ہوئی خشک سالی اور زرخیز مرغزاروں کے بیہڑ بن جانے سے شمالی ایشیا کی قوموں کی طبیعت میں یہ بے چینی اور سورش کی تھی اور "کومنٹرن" کی ذہنیت نے خانہ بدوش گلہ بانوں کی روایات کو زندہ کر دیا ہے۔ اگر سوویٹ یونین کا یہ دعوےٰ صحیح ہے کہ اُسے دوسرے ملک فتح کرنے کی پروا نہیں اور اگر جدید روش کی حکومت کی حقیقت میں یہی پالسی رہی تو اس سے ظاہر ہوگا کہ ان علاقوں میں نہریں جاری ہونے اور نئی بستیاں بس جانے سے یہاں کے باشندوں کا جارحانہ جوش دب گیا۔
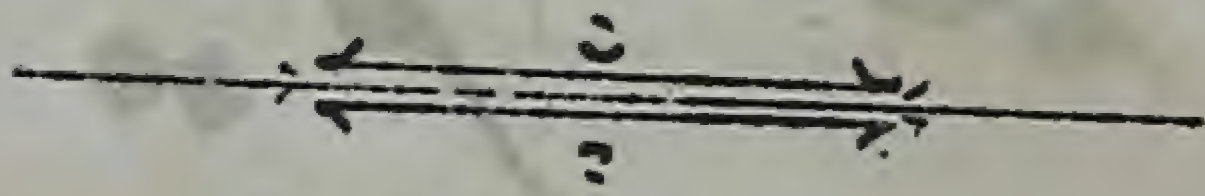
دوسرا حصّہ

ختم ہوا

تیسرا حصّہ

ہندستان کی قوموں کا مطالعہ

سترھواں باب

ہندستان کی کیفیت

تاریخ تمدن کے لحاظ سے

۱- آثار قدیمہ

ہندستان میں سب سے قدیم ابتدائی عہد حجری کی تہذیب دستی تبر کی تہذیب ہی جو "مدراسی" کہلاتی ہی۔ اس کے سب سے پہلے نمونے مدراس اور شمالی ارکاٹ کے قریب ساحلی علاقے میں ملے ہیں۔ پنچپن متر نے دستی تبر کی قسم کے اوزاروں کے نمونے مختلف دریاؤں کے کنارے ساحلوں پر، خصوصاً جنوبی ہند میں پائے جانے کا ذکر کیا ہی[۲۱]

دستی تبر کی تہذیبوں کو، جیساکہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں ان قوموں نے قائم کیا اور نشوونما دی جو مادری تہذیب کی پہلی منزل میں یعنی اولین تہذیب سے بہت قریب تھیں۔ مینگھن کی رائے ہی جنوبی ہند کی "مدراسی" یعنی دستی تبر کی تہذیب اپنی قسم کا سب سے پرانا اور ابتدائی نمونہ ہی۔ اگر یہ[۲۲] خیال صحیح ہی تو یہ کہنا کچھ بے جا نہ ہو گا کہ مادری تہذیبی دائرے کی بنا سب سے پہلے جنوبی ہند میں پڑی اور زراعت کا آغاز بھی یہیں ہوا۔ اس کی تائید علم الاقوام کے مشاہدات سے ہوتی ہی

جیسا کہ ہم اسی باب میں آگے چل کر دیکھیں گے۔ بعض بہتر قسم کے دستی تبر جو فرانس کے ابتدائی عہد حجری کے اشولی اوزاروں سے بہت مشابہت رکھتے ہیں اور کتل کے نمونے بھی متاخر مدراسی تہذیب میں نظر آتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یا تو ابتدا ہی میں یہ تہذیب ٹوٹی تہذیب سے مخلوط ہو گئی تھی یا اس نے اپنی جگہ پر بہت کچھ ترقی کرلی تھی۔

ابتدائی عہد حجری کے ان دستی تبروں کی جو ہندستان میں پائے گئے ہیں دو قسمیں ہیں (الف) مستطیل شکل کا تبر جو مدراس کے آس پاس خاص طور پر پایا جاتا ہے (ب) ایک تبر جو خاص کر کے بے ڈول شکل کا بنایا گیا ہے اور "گلوٹین" سے مشابہ ہے۔ مدراسی طرز کے کل اوزار شکل اور بناوٹ میں قدیم افریقی اور مغربی یورپ کے اشولی اوزاروں سے اس قدر ملتے جلتے ہیں کہ ابتدائی عہد حجری میں ہندستان اور ان ملکوں کے تعلقات اور ہم رنگی کا مسئلہ اس کا مستحق ہے کہ اس پر سنجیدگی سے غور کیا جائے۔

سب سے زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ بہت قدیم زمانے میں ہندستان کی ایک تہذیب جو مادری اور غالباً زراعتی تھی۔ جنوبی عرب اور وسطی افریقہ کی راہ سے مغربی یورپ پہنچی۔ یہ ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ عرب اور شمالی افریقہ کے ریگستان اس زمانے میں شاداب مرغزار تھے۔

ابتدائی عہد حجری کی تہذیب کا ایک اور نمونہ وہ قدیم اور ابتدائی ہڈی کے اوزار سمجھے جاتے ہیں جو کرنول کے بلا سرگام غاروں میں پائے گئے ہیں۔ یہ بات دلچسپ ہے اور اس سے "ہڈیوں کی ایک جداگانہ تہذیب" کے نظریے کی تائید ہوتی ہے ولڈ کرشلی (سوئٹزرلینڈ) کی طرح بلا سرگام کے غاروں میں بھی جانوروں کی کھوپریوں کا پتہ نہیں چلتا۔ دونوں جگہ

صرف جبڑے کی ہڈیاں اور دانت ملتے ہیں جس سے خیال ہوتا ہے کہ کھوپریاں غاروں کے باہر دیوتاؤں پر بھینٹ چڑھائی جاتی ہوں گی جیسا کہ سائبیریا کی بعض قوموں میں اب تک رواج ہے۔ اگر یہ صورت تھی تو ظاہر ہے کہ کھوپریاں جو غاروں کے باہر تھیں برباد ہوگئیں اور اوزار وغیرہ جو اندر تھے محفوظ رہے۔

وسطی عہد حجری کے دستی تبر جو مقابلتہً ترقی یافتہ ہیں مرزا پور اور باندے میں پائے گئے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس عہد کی جنوب مشرقی ایشیا کی تہذیب ہندستان ہی سے نکلی ہوگی۔ اگر یہ صحیح ہے تو یہ ماننا پڑے گا کہ زراعت بھی حقیقی معنی میں سب سے پہلے ہندستان ہی میں ابتدائی عہد حجری کی مدراسی تہذیب سے شروع ہوئی۔

لیکن وسطی عہد حجری کی کتل کی صنعت کے نمونے کہیں زیادہ پائے جاتے ہیں خصوصاً وسط ہند میں جو آج کل ٹوٹمی قبائل کا گھر ہے۔ آپ کو یاد ہوگا کہ کتل کی صنعت ٹوٹمی تہذیب سے وابستہ ہے۔ وسط ہند کے وسطی عہد حجری کے کتل چھوٹے چھوٹے ہوتے ہیں اور اس آثاری عہد کے وسط ایشیا اور افریقہ کے کتلوں سے مشابہ ہیں ہندستان میں وسطی عہد حجری کے کتلوں کی تین قسمیں کی گئی ہیں:-

(الف) وسط ہند کے کتل جو زیادہ تر باندہ کالنجر اور جنوب میں دریائے کرشنا تک پائے جاتے ہیں۔ یہ دوسری قسم سے جس کا ذکر ذیل میں آئے گا کسی قدر بڑے اور بھدے ہوتے ہیں۔

(ب) جبل پور کے جو نہ صرف مشرقی بندھیا چل میں بلکہ سارے ہندستان میں راس کماری تک جا بجا ملتے ہیں۔ ان کے ساتھ مٹی کے برتنوں کی

ایک بھدّی قسم بھی وابستہ ہے جن پر چھوٹے چھوٹے نوک دار خطوط کے نقش بنے ہوتے ہیں۔ اس طرز کی مشابہت وسط ایشیا کی صنعت سے جو شبارکھ کے مقام پر پائی گئی ہے معنی خیز ہے۔ شمالی افریقہ کے کاپسی کتلوں سے بھی یہ ایک حد تک ملتے ہیں۔[۲۳]

(ج) سینگھن نے مرہٹہ پہاڑ میں ایک تیسری قسم بھی دریافت کی ہے جو بہت چھوٹے چھوٹے اوزاروں پر مشتمل ہے اور غاروں کے سُرخ نقوش اور تصویروں سے وابستہ ہے۔ یہ اوزار شمالی افریقہ کے وسطی عہد حجری کے کاپسی کتلوں سے نمایاں مشابہت رکھتے ہیں۔ اگر یہ مشابہتیں اس بات کے ماننے کے لیے کافی سمجھی گئیں کہ جو قومیں یہ اوزار بناتی تھیں ان میں بہت گہرے ہم رنگی کے تعلقات تھے۔ تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ وسطی عہد حجری میں نہ صرف ہندستان اور شمالی افریقہ بلکہ مغربی یورپ میں گہرے تہذیبی تعلقات بلکہ شاید نسلی تعلق بھی رہا ہوگا۔ گویا ہندستان اور یورپ کے تعلق پر بھی یہ یونانی مثل صادق آتی ہے کہ "سورج کے نیچے کوئی چیز نئی نہیں ہے"۔

جدید عہد حجری میں ہندستان میں عام طور پر گول تبر رائج تھے۔ یہ وسطی عہد حجری کے بڑے دستی تبر کی ایک قسم کی ترقی یافتہ اور صیقل شدہ شکل تھی۔ گول تبر کی تہذیب غالباً ایک دیہاتی تہذیب تھی جو سور پالنے، بہتر قسم کی زراعت اور مادری تہذیب کی دوسری منزل کی اور خصوصیات سے وابستہ تھی۔ کنارے دار بیلچہ وسط ہند کے اس علاقے میں کثرت سے نظر آتا ہے جہاں آسٹریلوی ایشیائی خاندان کی منڈا زبانیں اب بھی بولی جاتی ہیں۔ یہ بعد کے زمانے کا ترقی یافتہ اوزار ہے اور ان آثار سے

تعلق رکھتا ہے جو بیرن فان گیلڈرن کے قول کے مطابق آسٹرونیشیوں نے جنوب مشرقی ایشیا سے گزر کر بحر جنوبی (بحرالکاہل) کی طرف جاتے ہوئے چھوڑے تھے [۱۲۵]

ممکن ہے کہ میگالیتھی طرز کی بے شمار قبریں اور یادگاریں جو سارے جنوبی اور وسطی ہند میں پھیلی ہوئی ہیں اس عہد سے تعلق رکھتی ہوں اگرچہ ہندستان کی میگالیتھی یادگاروں کا زمانہ غیر معین ہے۔ مغربی گھاٹ میں کورمبا قوم کے علاقے میں بہت قدیم اور ابتدائی قسم کی میگالیتھی قبریں اور ایک سنگی ستون موجود ہیں اور اس قوم کے لوگ بھی اسی قسم کی چھوٹی چھوٹی چیزیں بناتے ہیں۔ دوسری میگالیتھی قبریں لوہے کے اوزاروں کے ساتھ پائی گئیں۔ اگرچہ یہ اس بات کا لازمی ثبوت نہیں ہے کہ جو اوزار کھدائی میں نکلے ہیں وہ اِن قبروں میں اسی زمانے میں رکھے گئے جب یہ بنی تھیں پھر بھی اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ بعض میگالیتھی یادگاریں ہندستان میں عہد متاخر میں تعمیر ہوئیں۔ آج بھی میگالیتھی طرز ایک حد تک وسط ہند میں اس سے زیادہ آسام کے کھاسی اور گارو قبائل میں اور اس سے بھی زیادہ ناگا قبائل میں پایا جاتا ہے۔

عہد جدید حجری سے زیادہ ہندستان میں مسی حجری عہد کے آثار موہنجو دارو، ہڑپا اور وادی سندھ کے دوسرے مقامات کی کھدائیوں کی بدولت پائے جاتے ہیں۔ یہاں ایسی مہریں ملی ہیں جو قدیم عراق عرب کی مہروں سے غیر معمولی طور پر مشابہ ہیں۔ سنہ ۱۹۲۲ء میں رکھل داس بنرجی نے جو لاڑکانہ سے جنوب کی طرف ۲۵ میل کے فاصلے پر عہد متاخر کے ایک بدھ ٹوپ کا مطالعہ کررہے تھے ایک نہایت وسیع قدیم شہر اور

ترقی یافتہ تہذیب کے آثار دریافت کیے۔ جب سے سر جان مارشل ڈائرکٹر جنرل آثار قدیمہ اور ان کے اسٹاف نے یہاں باقاعدہ کھدائی کی ہے اور سر جان نے ان عجیب و غریب انکشافات کا حال شائع کیا ہے، لاڑکانہ جو پہلے ایک غیر دلچسپ قصبہ تھا آثار قدیمہ کے ماہروں کی زیارت گاہ بن گیا ہے۔ مہنجو دارو کی کھدائی نے نہ صرف ہندستان بلکہ ساری دنیا کی قدیم تاریخ کا تصوّر ہی بدل دیا ہے۔

مہنجو دارو کے قدیم قبل تاریخی شہر کی چوڑی سڑکیں جو مشرق سے مغرب اور جنوب سے شمال کی طرف ایک دوسرے کے ساتھ زاویہ قائمہ بناتی ہوئی چلی گئی ہیں ظاہر کرتی ہیں کہ اب سے پانچ چھ ہزار سال پہلے بنانے والوں نے اس شہر کو پہلے سے سوچے ہوئے نقشے کے مطابق بنایا تھا۔ ان سڑکوں کا مستطیل جال جس کے ساتھ نہریں اس سلیقے کے ساتھ بنائی گئی ہیں کہ قرون وسطیٰ کا تو کیا ذکر ہے آج کل بھی ہندستان کے اکثر شہروں میں آب رسانی کا ایسا انتظام نہیں ہے دیکھنے والے کے سامنے بڑا شاندار نقشہ پیش کرتا ہے۔ لیکن اب تک شہر کا بڑا حصّہ مٹی کے تودوں کے نیچے دبا پڑا ہے۔ سب سے زیادہ نمایاں وہ عظیم الشان حمام ہے جو ایک بڑی عمارت میں پایا گیا ہے اس کے علاوہ اکثر مکانوں میں چھوٹے چھوٹے غسل خانے ہیں۔ نہانے کے اس عمدہ انتظام کی مختلف تعبیریں کی گئی ہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ ان مکانوں کی کوٹھریوں میں مختلف مذہبی برادریوں کے سادھو رہا کرتے تھے۔ لیکن اگر ہم وادی سندھ کی تہذیب کے عام رنگ کو جو یقیناً مادی ہے، اس سے ملتی جلتی مشرق قریب کی تہذیبوں کو اور ایک خوبصورت ناچنے والی عورت کی مورت

کو جو موہنجو دارو میں ملی ہے مدنظر رکھیں تو یہ زیادہ قرین قیاس ہے کہ صنفِ نازک کی کوئی مذہبی یا نیم مذہبی برادری ان پر تکلّف غسل خانوں پر قابض تھی۔

اس کی جو اصلیت بھی ہو بہرحال موہنجو دارو کی تہذیب نے ہندستان کی بعد کی تہذیبوں کو صرف غسل کی اہمیت ہی نہیں سکھائی بلکہ اور بھی بہت کچھ دیا ہے۔ مٹی کے برتن، طرزِ تعمیر، پالتو مویشی جن کی تصویریں مہروں پر بنی ہیں، پیمائش کا ہندسی تناسب جو رُپڑ اور اس کے حصّوں میں اب تک پایا جاتا ہے اور اس سے بھی زیادہ شیو شکتی کا عقیدہ، بودھ کی قسم کے سنت یا دیوتا، جن کی نقل مختلف مورتوں، آرائشی کاموں اور سنگم کی شکلوں میں پائی جاتی ہے اور موہنجو دارو اور ہڑپا کے مذہبی اور معاشرتی نظام کے دوسرے بلا واسطہ یا بالواسطہ اثرات دو باتوں کا ثبوت دیتے ہیں:۔

(الف) قدیم تہذیب کی بہت سی چیزیں ہزار ہا سال گزرنے کے بعد آج تک باقی ہیں۔

(ب) وادی سندھ کی یہ تہذیب آریوں کے آنے سے پہلے تقریباً تین ہزار سال قبل مسیح موجود تھی۔

جو شخص ہندستان کے علم الاقوام کا مطالعہ کرتا ہے اس کے لیے دنیا بھر کی تفصیلات سے زیادہ ضروری یہ ہے کہ ان بنیادی واقعات کو یاد رکھے اگر وہ مادری طرز کی قبل آریائی شہری تہذیب کی پوری اہمیت کو سمجھنا چاہتا ہے۔

ہماری تحقیق کا خاص مقصد یہ معلوم کرنا ہے کہ:۔

(الف) قبل تاریخی عہد میں ہندستان کے باہر کے ملکوں مثلاً منوی کریٹ قبل ملو کی مصر قدیم عرب، عراق عرب اور ایران میں کہاں کہاں وادی سندھ

کی تہذیب سے علاقہ رکھنے والی تہذیبیں موجود تھیں۔

(ب) اس تہذیب کے اثرات آج کل جنوبی ہندستان کی نایر، ٹیر، سانتم، پنٹ وغیرہ ذاتوں، یونان کے جزائر میٹلینی، ہاگیو، ایسٹراٹو، کریٹ وغیرہ کے باشندوں، جنوبی عربوں، مصر اور مشرقی افریقہ کے دوسرے ملکوں کے رہنے والوں میں کس حد تک موجود ہیں۔

اس تحقیقات کے نتائج تفصیل سے بیان کرنے کے لیے ایک پوری کتاب کی ضرورت ہے۔ لیکن اس تحقیقات کا طریقہ ہم اختصار کے ساتھ بتائے دیتے ہیں۔ مارشل نے وادی سندھ کی تہذیب کی گیارہ خصوصیات بتائی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ ہندستانی تہذیب کے بنیادی عناصر مہنجو دارو وغیرہ کی مادری شہری ریاستوں اور وادی سندھ کی تہذیب کے دوسرے مرکزوں کی میراث ہیں۔ مادری تہذیب کی حامل ذاتوں نائر وغیرہ کی زندگی کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں یہ بنیادی عناصر زیادہ خالص اور واضح شکل میں موجود ہیں بہ نسبت دوسری ذاتوں کے جن کی تہذیب میں حملہ آور آریوں اور ان کی خانہ بدوش گلہ بانوں کی تہذیب کے مذہبی اور معاشی تصوّرات داخل ہو گئے ہیں۔

وادی سندھ کی تہذیب کی بنیادی خصوصیات حسب ذیل ہیں:—

دیوی ماتا اور دوسری دیویوں کی پوجا، درخت کی پوجا، لنگم کی پوجا، آرٹ کی ایک طبیعی مگر نفیس طرز، افسانوی جانوروں کی تصویریں جو اصلی جانوروں کے مختلف عناصر کو خلط ملط کر کے بنائی جاتی ہیں، مستطیل شکل کی عمارتیں جن سے فنی مہارت ظاہر ہوتی ہے، مٹی کے برتنوں اور زیوروں کی بہت سی خصوصیات، قلعوں، بڑے مندروں، جارحانہ اسلحہ

گھوڑے اور لوہے کی چیزوں کا نہ ہونا۔ ان خصوصیات کا مطالعہ ہندستان کی موجودہ مادری ذاتوں میں کرنے کے سلسلے میں ان ذاتوں کا مقابلہ شرقِ قریب اور بحرِ روم کے علاقے کے لوگوں سے بھی کیا گیا اور دونوں میں تہذیب و تمدن کے لحاظ سے بہت کچھ تعلق پایا گیا۔ خاکسار مصنف کو توقع ہے کہ وہ اپنی موجودہ تحقیقات کے دوران میں جو ۱۹۳۵ء میں مصر میں شروع ہوئی تھی اور ہندستان، عرب اور مصر میں مکمل ہوگی۔ اس سلسلے میں بہت سی مزید تفصیلات فراہم کرے گا۔

وادی سندھ کی تہذیب کے شباب کا زمانہ غالباً ۲۵۰۰ ق۔م کے لگ بھگ تھا اور ظاہر ہے کہ وہ اس سے بہت پہلے سے نشوونما پا رہی ہوگی۔ عراق عرب کے قدیم تہذیبی مرکزوں سے اس کا تعلق یقینی ہے لیکن ابھی تک یہ نہیں کہا جا سکتا کہ عراق عرب کی تہذیب ہندستان آئی تھی یا ہندستان کی تہذیب عراق عرب پہنچی تھی۔ بعض امور سے پہلے خیال کی تائید ہوتی ہے اور بعض سے دوسرے کی۔ شاید یہ دونوں تہذیبیں کسی تیسری تہذیب کی شاخ ہیں جس کا مرکز دونوں ملکوں کے درمیان کسی مقام پر تھا۔

یہ بات کہ وادی سندھ کی تہذیب سے دراوڑی زبانوں اور دراوڑی بولنے والی قوموں کی قدیم تہذیب کا تعلق ہے قریب قریب یقینی ہے۔ وادی سندھ کے قریب بلوچستان میں دوسری زبانوں کے علاقوں کے بیچ میں دراوڑی زبانوں کے ایک علاقے کا اب تک پایا جانا اس نظریے کا مزید ثبوت ہے۔

۲۰۰۰ ق۔م کے لگ بھگ جب کہ آریوں نے ہندستان پر

حملہ کیا۔ وادی سندھ کی تہذیب مٹ چکی تھی۔ ابتدائی ویدک عہد کے آثار سوا ایک خاص قسم کے لوہے کے تبر کے بہت کم ملتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہندستان میں آریوں کی قدیم تہذیب بہت کم مایہ تھی، ان کی جھونپڑیاں مٹی کی ہوتی تھیں اور اکثر اوزار لکڑی، ہٹی، بانس، چمڑے جیسی ناپائدار چیزوں سے بنتے تھے۔

(۲) زبانیں

ہندستان کی زبانوں کا نقشہ پیش کرنے سے پہلے ہم اس بات پر انتہائی زور دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ زبان، مذہب، سیاسی اور روایاتی قومیت اور نسل بالکل علیحدہ چیزیں ہیں اور انھیں ایک دوسرے سے خلط ملط نہیں کرنا چاہیے۔ اس کی وجہ سے جو غلطیاں ہوتی ہیں ان کا ذکر ہم اس کتاب کے شروع میں کر چکے ہیں مگر پھر ایک بار پڑھنے والوں کو آگاہ کیے دیتے ہیں کیونکہ علم الاقوام کے مسائل کے بارے میں یہ غلط تصور بہت عام ہے۔

"آریوں" کا لفظ ان لوگوں کے لیے استعمال ہوتا ہے جو آریائی زبانیں مثلاً ہندی، مرہٹی، بنگالی، پشتو، فارسی، آرمینی وغیرہ بولتے ہیں۔ لیکن اکثر "آریائی تہذیب" "آریائی مذہب" اور "آریائی نسل" کا نام لیا جاتا ہے۔ یہ علمی اصول کے خلاف ہے اور اس سے بڑی غلط فہمی پیدا ہوتی ہے۔ اس لیے کہ آریائی تہذیب (یعنی ان خانہ بدوش گلہ بانوں کی تہذیب جنھوں نے ہندستان پر حملہ کیا تھا اور آریائی زبانیں بولتے تھے) آج کہیں بھی موجود نہیں بلکہ ہندستان کی قبل آریائی تہذیبوں کے ساتھ گھل مل گئی ہے۔ آریوں کے یہاں کی قدیم قوموں سے شادی بیاہ کرکے میل

جول. بڑھایا اور اس کی وجہ سے ان کی تہذیب میں اس قدر توسیع اور تغییر ہوا کہ وہ کچھ سے کچھ ہو گئی۔ دوسری طرف خود ان کی اصلی تہذیب بھی آریائی زبان بولنے والی سے مخصوص نہیں تھی بلکہ وسط ایشیا، یورپ اور مشرق قریب کے یورپی، یورالی التائی اور حامی سامی زبانیں بولنے والے خانہ بدوش گلّہ بان بھی اس سے بہت کچھ ملتی جلتی تہذیب کے حامل تھے۔ قبل تاریخی زمانے میں آریائی زبانیں بولنے والی اور دوسری زبانیں بولنے والی قوموں میں جن کا اصلی وطن وسط ایشیا ہی جو کچھ فرق تھا اس کے متعلق ہمیں کوئی معلومات نہیں اور نہ قیاس سے کچھ زیادہ کام لے سکتے ہیں۔

ایک طرف آریائی زبانیں بولنے والی قوم کا مذہب (اگرچہ بہت کچھ تغیّر اور ترقی کے بعد) کروروں دراوڑی زبانیں بولنے والے ہندوؤں میں پھیل گیا اور دوسری طرف بھیلوں نے آریائی زبان کی ایک ترمیم شدہ شکل بھیلی تو اختیار کر لی لیکن آریوں کے مذہب کا اثر دراوڑی بولنے والے مدراسی یا ملایالم علاقے کے برہمنوں کے مقابلے میں بہت کم قبول کیا۔

نسلی تفریق تہذیبی اور مذہبی تفریق سے بھی کم کی جا سکتی ہی اس لیے کہ ایک تو قدیم آریوں کی جسمانی خصوصیات کے متعلق ہمیں اتنی معلومات نہیں جتنی ان کی تہذیب اور مذہب کے بارے میں ہی دوسرے نسل کے اعتبار سے آریا ہندستان کے قدیم باشندوں کے ساتھ اس سے کہیں زیادہ گھل مل گئے جتنے زبان اور معاشرت کے لحاظ سے۔ ملابار کے دراوڑی زبان بولنے والے نایر اور نیلگری پہاڑ کی ٹوڈا قوم جن نسلوں سے تعلق رکھتی ہیں وہ شمالی ہند کی آریائی زبانیں بولنے والی

قوموں میں بھی موجود ہیں۔ بنگال، وسط ہند، پنجاب اور کشمیر کے بہت سے آریائی زبانیں بولنے والے لوگ انھیں نسلوں سے ہیں جن سے مشرقی دراوڑی، منگولی اور تبتی برمی زبانیں بولنے والی قومیں ہیں۔ مختلف جنگلی قومیں مثلاً چنچو، نیادی، کادر، ارولا، ہاسلار، کرویا، شولاگا وغیرہ بگڑی ہوئی دراوڑی زبانیں بولتے ہیں۔ وہ اپنی زبانیں تو بھول گئیں لیکن اپنی نسلی خصوصیات کو انھوں نے بڑی حد تک قائم رکھا ہے۔ بہ خلاف اس کے براہوی قوم نے اپنی دراوڑی زبان قائم رکھی لیکن جسمانی خصوصیات کے لحاظ سے ان میں اور ان کے آریائی زبانیں بولنے والے ہمسایوں بلوچیوں اور سندھیوں میں کوئی فرق نہیں۔

ان سب باتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ عام طور پر اور خاص کر ہندستان میں کسی شخص کی مادری زبان سے اس کی آبائی تہذیب کا یا تہذیب سے زبان کا اندازہ لگانا، اسی طرح اُس کے یا اُس کے آبا و اجداد کے مذہب کی بنا پر اس کی نسل کی تشخیص کرنا جائز نہیں۔ ہزاروں ہندستانی نومسلم خاندان ہیں جن میں آپس میں شادیاں ہوتی ہیں اور ان کے جسم میں عرب، ایرانی، منگولی یا ترکی خون کا ایک قطرہ بھی نہیں۔ دوسری طرف بہت سے عرب تاجروں اور سپاہیوں کی اولاد ہندو یا بدھ مذہب رکھنے والی ماؤں سے ہے اور انھیں کی ذات میں شمار ہوتی ہے خصوصاً مادری تہذیب رکھنے والی قوموں میں۔

ان باتوں پر جتنا زور دیا جائے کم ہے اس لیے کہ صرف ناواقفیت کی بنا پر نہیں بلکہ اکثر جان بوجھ کر مشیخت کی وجہ سے لوگ ان سے قطع نظر کر لیتے ہیں۔ یہ ایک عام انسانی کمزوری ہے کہ لوگ اپنی "شرافت نسب"

پر فخر کرتے ہیں اور شرافت کے معنی عموماً حکمراں قوم یا طبقے سے تعلق رکھنے کے لیے جاتے ہیں۔ گو حقیقت میں مذہب اور سائنس دونوں کی رو سے سب انسانوں کا سلسلۂ نسب آخر میں جاکر ایک ہو جاتا ہے۔ اس لیے اگر ملک یا کسی عہد میں آریوں کی اولاد ہونا باعث فخر سمجھا جاتا ہے تو ہر شخص یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ میرے آبا و اجداد آریا تھے۔ اور اگر کسی زمانے میں منگولی حملہ آوروں یا ان پر ملانوی حملہ آوروں کی اولاد بننے کا فیشن ہو جو "مے فلاور" جہاز پر شمالی امریکا گئے تھے تو دولت مند لوگ ان سے اپنا رشتہ جوڑ لیں گے۔ اگر عام لوگوں میں اس طرح کی شیخت ہو تو خیر ایک بات بھی ہے مگر کم سے کم اہل علم کو اس خدع نفس سے بری ہونا چاہیے اور صرف معروضی ثبوت اور دلائل کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔ یہ صرف اسی وقت ممکن ہے جب وہ زبان، مذہب، تہذیب، نسل، سیاسی قومیت اور عام روایات کو الگ الگ چیزیں سمجھیں۔

ہندستان کی زبانیں حسب ذیل لسانی خاندانوں میں تقسیم کی جا سکتی ہیں:۔

(۱) دراوڑی (۲) ہندی یورپی (۳) آسٹریلوی ایشیائی اور (۴) تبتی برمی

(۱) دراوڑی زبانیں غالباً ہندستان کی قدیم شہری تہذیبوں مثلاً مہنجو دارو تہذیب کے حاملوں کی زبانیں تھیں لیکن ان ابتدائی قوموں کی نہیں جو ان سے پہلے ہندستان میں رہتی تھیں۔ اب یہ زبانیں زیادہ تر جنوبی ہند میں پائی جاتی ہیں۔ صرف ایک براہوئی زبان بلوچستان میں بولی جاتی ہے۔ ان سب قوموں میں جو اب دراوڑی زبانیں بولتی ہیں تہذیبی یا نسلی اتحاد کا پتہ نہیں چلتا۔ پستہ قد جنگلی قومیں جن کی تہذیب قریب

ہندوستان میں ہندی یورپی اور دڑاوڑی زبانوں کی تقسیم

ہندی یورپی

دڑاوڑی

(ملاحظہ ہو رپورٹ مردم شماری سنہ ۱۹۳۱ء جلد اول)

اولین تہذیب سے ملتی ہے جنوب میں دراوڑی زبانیں بولتی ہیں۔ اندھیرا، چلوکیا اور پلو قوموں کی قدیم ترقی یافتہ تہذیبوں کی زبانیں بھی دراوڑی تھیں اور ہندستان کے بعض ادبی شاہ کار ان زبانوں میں لکھے گئے مثلاً تامل میں کرال۔ ایک اور دراوڑی زبان ملایالم کے ذریعے سے ہندستان کی تہذیب سب سے پہلے انڈونیشی جزائر میں پھیلی۔

کالڈویل کا خیال تھا کہ دراوڑی زبانوں اور تورانی زبانوں میں کچھ رشتہ ہے۔ اگر ہم اس فرضیے کو کہ سمیری قوم کا تعلق ترکوں سے تھا اور اس مسلمہ نظریے کو کہ وادی سندھ کی تہذیب ایک طرف ایشیائے کوچک سے اور دوسری طرف جنوبی ہند کے دراوڑیوں سے تعلقات رکھتی تھی مد نظر رکھیں تو دراوڑی اور تورانی زبانوں کے رشتے کا خیال قابل غور معلوم ہوتا ہے۔

دراوڑی خاندان کی خاص خاص زبانیں حسب ذیل ہیں:۔
تامل جو ان میں سب سے پرانی ادبی زبان ہے۔ تلنگی جو شمال کی طرف ہٹ کر بولی جاتی ہے، ملایالم، ٹولو اور کنڑی۔ ہندستان کی آریائی زبانوں پر دراوڑی اصوات کا جو اثر پڑا ہے اُس پر سلیٹر نے زور دیا ہے۔ بھا، دھا، کھا، پھا وغیرہ میں ہائے مخلوط کی آواز جو سنسکرت اور اس کی شاخوں کو دوسری ہندی یورپی زبانوں سے ممتاز کرتی ہے دراوڑی زبانوں سے ماخوذ ہے۔ اس قسم کی اور بہت سی مثالیں ہیں۔ دوسری طرف دراوڑی زبانوں نے مذہبی اصلاحیں اور بہت سے دوسرے الفاظ فتح مند آریوں کی زبان سے لیے ہیں۔

ہندستان کی ہندی یورپی زبانیں سنسکرت اور اس سے نکلی ہوئی

زبانوں مثلاً بُدھ عہد کی پراکرت اور آج کل کی ہندی، ہندستانی، اُڑیا، بنگالی، آسامی، گجراتی، مرہٹی، بھیلی، پنجابی، بلوجی وغیرہ پر مشتمل ہیں۔

بوروشاسکی ایک بہت پُرانی زبان ہے جو شمال مغرب کے پہاڑوں میں اب تک باقی ہے۔ اُردو کی بنیاد بھی ایک ایسی بولی پر قائم ہے جو سنسکرت سے ماخوذ ہے لیکن اس میں ہندستان کے باہر کی زبانوں کے بہت سے الفاظ داخل ہو گئے ہیں۔ ان میں سب سے اہم عربی ہے جو ایک سامی زبان ہے۔ فارسی جو ہندی یورپی زبانوں کے آریائی خاندان سے تعلق رکھتی ہے۔ اس کے عناصر بھی اُردو میں آسانی سے کھپ گئے ہیں۔ منگولی اور ترکی عناصر بہت خفیف ہیں۔ حال میں انگریزی، لاطینی، یونانی، فرانسیسی وغیرہ کا بھی اثر پڑا ہے۔ ایک باہر کی زبان یعنی انگریزی انگلوانڈین جماعت اور معدودے چند ہندستانی خاندانوں کی مادری زبان ہے۔

آسٹریلوی ایشیائی خاندان میں سے زیادہ تر آسٹریلوی زبانیں پائی جاتی ہیں۔ آسٹرونیشی زبانیں جو اس کی دوسری شاخ سمجھی جاتی ہیں۔ ان کے بولنے والے چند ہزار سے زیادہ نہیں۔ اس خاندان کے جسے و۔ اشمٹ نے آسٹریلوی ایشیائی کہا ہے وجود ہی میں لوگوں نے حال میں شبہہ ظاہر کیا ہے خصوصاً گ۔ ہویسی نے اُن کے نزدیک منڈا زبانیں آگری اور رمادری زبانوں سے تعلق رکھتی ہیں[۲۱]۔

آسٹریلوی زبانوں کے ہندستان میں دو علاقے ہیں جو دوسری زبانوں کے علاقوں کے بیچ میں جزیروں کی طرح واقع ہیں۔ ایک تو آسام میں کھاسی زبان کا چھوٹا سا علاقہ[۲۵] دوسرے وسط ہند میں چھوٹا ناگپور کا کسی قدر بڑا مرتفع علاقہ جہاں منڈا زبانیں بولی جاتی ہیں۔ پچاس لاکھ سے زیادہ آدمی

آسٹری ایشیائی اور تبّتی برمی زبانوں کی تقسیم

آسٹری ایشیائی

تبّتی برمی

(ملاحظہ ہو رپورٹ مردم شماری ۱۹۳۱ء جلد اوّل)

اب تک منڈا زبانیں بولتے ہیں جن میں بھومج، برہور، ہوس۔ اسنتھال، منڈا، اور دوسرے قبائل داخل ہیں۔ اس کی اور اس قسم کے دوسرے مسائل کی تفصیلات مردم شماری کی رپورٹ کے علم الاقوامی ضمیموں، رسل اور ہیرالال کی کتاب "ہندستان کی ذاتیں اور قبائل" اور دو عمدہ رسائل ہیں جو حال میں شائع ہوئے ہیں مل سکتی ہیں۔ ڈ۔ ن۔ ماجومدار کی کتاب "قبائل حالت تغیر میں"[۲۹] منڈا بولنے والے قبائل سے بحث کرتی ہے اور اس میں "مالیناؤسلی کے عملی طریق تحقیق کا ذکر اور اس کی دلچسپ مثالیں ہیں۔ اس میں میس رتھ بینیڈکٹ کے "صوری علم الانسان" سے کام لیا گیا ہے اور وہ اُس "نظریۂ صورت" پر مبنی ہے جو میرے والد مرحوم نے مرتب کیا تھا اور جس کا ایک خاکہ اس کتاب کے شروع میں دیا جا چکا ہے۔[۳۰] و۔ و۔ گرگسن کی کتاب "بستار کے ماریا گونڈ"[۳۱] میں وسط ہند کے دو اور ٹوٹمی قبائل کی تہذیب کا مکمل حال مثالوں کے ساتھ بیان کیا گیا ہے جو اب منڈا زبانیں نہیں بولتے لیکن تہذیب کے لحاظ سے منڈا قبائل ہی سے تعلق رکھتے ہیں۔ غالباً ہندستان کی سب ٹوٹمی قومیں خصوصاً بھیل پہلے منڈا زبانیں بولتی تھیں مگر آگے چل کر سنسکرت سے نکلی ہوئی جدید زبانیں یا دراوڑی زبانیں بولنے لگیں۔

تبتی برمی خاندان کی دونوں شاخیں ہندستان میں موجود ہیں۔ تبتی زبانیں شمال کے سرحدی علاقے میں بولی جاتی ہیں اور برمی زبانیں آسام کے گارو قبائل بولتے ہیں۔ یہ ایک مادری اور اسی کے ساتھ ٹوٹمی اور میگالیتھی تہذیب کے حامل ہیں جو ان کی ہمسایہ کھاسی قوم کی تہذیب سے بہت ملتی جلتی ہے اور شاید اسی سے ماخوذ ہے۔[۳۲] آسام اور برما کی سرحد کے ناگا قبائل بھی اسی لسانی حلقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے متعلق

مزید تفصیلات اور جدید علم الاقوام کی علمی تحقیق کے متعلق بہت کچھ مفید معلومات ج۔ و۔ ہٹن، ٹ،ک۔ ہوڈسن کے قابل قدر رسائل اور مس اور و۔ قیوہر ہائمنڈورف کی تازہ تصانیف سے حاصل ہو سکتی ہے۔[۳۳] آخرالذکر نے کئی مہینے ان کے ساتھ رہ کر ان کی تہذیب کا مطالعہ کیا خوش قسمتی سے انھوں نے ویئنا اسکول کے تاریخ تمدن کے نقطۂ نظر اور مالینا وسکی کے عملی نقطۂ نظر سے اپنے مطالعے میں کام لیا ہے۔[۳۴]

ان لسانی حلقوں کا ایک دوسرے پر اثر، ان کی ابتدا اور نشوونما کے مختلف نظریات ہندستان کے قبل تاریخی مسائل کے اہم اجزا ہیں لیکن ہمارے موجودہ موضوع بحث سے خارج ہیں۔

۳۔ نسلی حالت (طبیعی علم الانسان)

صرف ہندستان ہی دنیا میں ایک ملک ہے جس نے ذات پات کے نظام کے ذریعے سے ساری آبادی کو چھوٹے چھوٹے حلقوں میں تقسیم کر دیا ہے جو آپس ہی میں شادی بیاہ کرتے ہیں۔ مگر اس کے باوجود ہندستان میں بہت کم نسلیں ہیں جنھوں نے اپنی جسمانی خصوصیات کو قائم رکھا ہے اور دوسری نسلوں کے ساتھ خلط ملط نہیں ہوئیں۔ اس کی وجہ کچھ تو یہ ہے کہ قدیم ہندو مذہب میں ذات کے اندر شادی کرنے کی پابندی نہیں تھی اور کم سے کم اونچی ذات کے لڑکے نیچی ذات کی لڑکیوں سے شادی کر سکتے تھے، کچھ یہ کہ بدھ مت، اسلام اور خود ہندو مذہب کی اصلاحی تحریکوں (لنگایت، کبیر پنتھی، سکھ وغیرہ) نے سرے سے ذات پات کی تفریق ہی کو مٹا دینے کی کوشش کی اور کچھ یہ کہ ہندستان میں بھی جس کے باشندے رسوم و روایات کی پابندی کے لیے

کونیک ناگا قبیلہ کی ایک لڑکی

یہ قبیلہ آسام کے اُن پہاڑی قبائل میں سے ہے جو جدید تہذیب سے سب سے کم متاثر ہوئے ہیں۔

یہ تصویر ڈاکٹر فان فیور ہائمنڈورف نے ۱۹۳۶ء میں لی تھی جب وہ آسام کے مردم کُش قبائل کا مطالعہ کرنے کے لیے گئے تھے اس لڑکی کے حُسن و جمال کو دیکھ کر یہ خیال بھی نہیں ہوتا کہ اس کے بھائی یا چاہنے والے مردم کُشی کا شوق رکھتے ہیں۔ اس کے چہرے اور آنکھوں سے منگولی نسل کی خصوصیات ظاہر ہیں۔

مشہور ہیں زندگی اور محبت کی لہر ان مصنوعی بندشوں سے زیادہ قوی ثابت ہوئی صرف جنگلی قبائل جو سب سے الگ رہتے ہیں ایک حد تک اپنی نسل کو خالص رکھ سکے۔

اس سے ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ طبیعی علم الانسان ، یعنی حیوانیات کے نقطۂ نظر سے انسانی نسلوں کو مختلف قسموں میں تقسیم کرنے سے صرف چند دھندلے سے خاکے ہاتھ آتے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ پہلے مختلف نسلوں میں کیا فرق تھا جو ایک جگہ سے دوسری جگہ ہجرت کرنے ، آپس میں شادی بیاہ کرنے اور کم و بیش دو ہزار سال کی مشترک تاریخ کے دوسرے اثرات سے قریب قریب مٹ چکا ہے۔

ہندستان کی نسلیات کے پیچیدہ مسائل کو حل کرنے کی جو کوششیں کی گئیں وہ ابتدا میں اس غلط تصور پر مبنی تھیں کہ ایک زبان بولنے والی قومیں مذہب اور نسل کے لحاظ سے بھی ایک ہیں۔ ہم نے اس عام غلطی کے ازالے کی کوشش اس باب کے شروع میں کی ہے۔ یہاں صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ رسلے جیسا قابل شخص بھی جو ہر مسئلے کی جزئیات کا گہری نظر سے مطالعہ کرتا ہے۔ "آریائی نسل" اور دراوڑی نسل کے چکر میں پڑ گیا جس کی بنیاد اس خیال پر تھی کہ نسل اور زبان میں مطابقت ہوتی ہے حالانکہ حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ ہمیں پچھلی صدی کی غلطیوں سے بچ کر جدید مشاہدات سے استفادہ کرنا چاہیے جو ایک واضح علمی تصور کی بنیاد پر نسلی تقسیم کو لسانی تہذیبی ، مذہبی اور ملکی تفریق سے الگ رکھ کر کیے گئے ہیں۔

ڈاکٹر ب۔ س۔ گوہا نے ۱۹۳۱ء کی مردم شماری کی رپورٹ کے

اس حصے میں جو قدیم اقوام کی تہذیب سے بحث کرتا ہے اپنی کئی سال کی قابل قدر تحقیقات کے نتائج بیان کیے ہیں۔ یہ نتائج بڑی حد تک بیرن آئک اشٹیٹ کے تجویز کیے ہوئے نقشے کے مطابق ہیں [۳۵] جس کی اصطلاحیں اور تقسیم کے اصول شاید غیر اہلِ فن بھی آسانی سے سمجھ سکتے ہیں۔ ڈاکٹر گوہا کی رپورٹ آسانی سے مل سکتی ہے اس لیے کہ وہ ۱۹۳۱ء کی مردم شماری کی رپورٹ میں شامل ہے اور انگریزی میں لکھی گئی ہے۔ آئک اشٹیٹ کی کتاب جرمن میں ہے۔ انگریزی میں صرف اس کا خلاصہ نجندیا اور ل۔ ک۔ اننت کرشن آئر کی کتاب "میسور کی قومیں اور ذاتیں" کی پہلی جلد میں دیا گیا ہے [۳۶]۔ یہ کتاب علم الاقوام کا مطالعہ کرنے والوں کے لیے بہت اہم قابل قدر ہے لیکن یہ بھی ہندستان کے کتب خانوں میں اتنی آسانی سے نہیں ملتی جتنی آسانی سے مردم شماری کی رپورٹ مل جاتی ہے

مگر ہم پڑھنے والوں کو آگاہ کرنا چاہتے ہیں کہ آئک انشٹیٹ بھی غیر علمی تعصبات سے خالی نہیں ہیں۔ اگرچہ انھوں نے زبان اور نسل کی مطابقت کی پرانی غلطی کا ازالہ کر دیا اور "آریائی زبانوں۔ "آریائی تہذیب" اور "آریائی نسل میں خلط بحث کرنے سے محفوظ رہے [۳۷] لیکن اس تعصب سے اپنا دامن نہ بچا سکے کہ حبشی نسل کی علامات خصوصاً سیاہ رنگ "ابتدائی" ہونے کی دلیل ہے [۳۸]۔ ہم افریقہ کی تاریخ تمدن کے باب میں اس خاص مسئلے پر بحث کر چکے ہیں۔ پھر بھی اس موقع پر چند الفاظ کا کہنا نامناسب نہ ہوگا۔ آئک اشٹیٹ بھی آج کل کے اکثر ماہرین علم الاقوام کی طرح یہ سمجھتے ہیں کہ طفلانہ خد و خال۔ مثلاً کسی قدر پھیلے ہوئے نتھنے اور بھرا بھرا نیچے کو جھکا ہوا دہانہ [۳۹] سکڑی ہوئی ٹھڈی، جسم

آسام کا "کلیو کینگو ناگا"

شکاریوں کے سردار کے پورے لباس میں۔ ارنے بھینسے کے سینگ اور ان پر ایک خاص پرندے کے پَروں کا طرّہ لگائے چہرہ کے ارد گرد شیر کے ناخنوں کا حلقہ۔ یہ تصویر ڈاکٹر فان فیورر ہائمنڈورس نے اس زمانے میں لی تھی جب وہ ہندستان کی شمال مشرقی سرحد اور اس سے آگے کے علاقہ میں ان قبائل کا مطالعہ کرنے کے لیے گئے تھے جو اب تک جدید تہذیب سے آلودہ نہیں ہوئے۔

پر بال نہ ہونا اور جسم، سر وغیرہ کا ایک خاص "تناسب" لازمی طور پر ابتدائی ہونے کی علامت ہے۔ یہ خصوصیات ہندستان اور جنوب مشرقی ایشیا کی اکثر جنگلی قوموں کے منگولی نسل کے قبیلوں میں پائی جاتی ہیں اور بعض اور نسلوں (مثلاً پولی نیشی، شمالی انڈی، چینی وغیرہ) میں مردوں کے مقابلے میں عورتوں میں کسی قدر زیادہ نمایاں ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ان جسمانی خصوصیات میں "ابتدائیت" کا ایک عنصر ضرور ہے۔ لیکن اس ابتدائی عنصر میں بہت سی ترقی یافتہ قوموں اور پولی نیشی اور شمالی انڈی مردوں سے انسانیت کی شان سے زیادہ اور حیوانیت کی کم ہے۔ اس کے علاوہ بعض مشاہدات کیے گئے ہیں جن کی رو سے اعلےٰ درجے کی ترقی یافتہ قوموں کی نشوونما کا رُخ اسی طرف معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے خط و خال میں دوبارہ وہی "طفلانہ" نرمی اور تناسب پیدا ہو جو بہت سی ترقی یافتہ قوموں کی عورتوں اور "ابتدائی" نسلوں میں پایا جاتا ہے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا نسل انسانی کا جسمانی ارتقا اُسے پھر ابتدائی نسلوں کے طفلانہ تناسب کی طرف (گو کسی قدر مختلف اور پیچیدہ شکل میں) لا رہا ہے جس طرح اعلےٰ درجے کی ترقی یافتہ الہامی مذاہب دنیا کو پھر اولین تہذیب کے سادہ بلند تصور وحدت کی طرف لے گئے۔ بہر حال "ابتدائیت" کے لفظ کو ایسے موقع پر استعمال نہیں کرنا چاہیے جہاں "ابتدائیت" کی واحد علامت یعنی جانوروں سے مشابہت مفقود ہو۔ کئی لحاظ سے عورتوں اور ان نسلوں میں جو ابتدائی کہلاتی ہیں جانوروں سے مشابہت اس سے کم پائی جاتی ہے جتنی مردوں میں اور بعض بال دار مضبوط، موٹی تازی، چوڑی ہڈیوں کی حکمراں اور ترقی یافتہ قوموں میں۔

اس بات کو ذہن میں رکھتے ہوئے۔ بیرن آئیک اشٹیٹ کے تصورات ہندستان کے علم الانسان کے متعلق ملاحظہ فرمائیے :۔

ہندستان کی نسلوں کی تین قسمیں کی جا سکتی ہیں :۔

(الف) وہ نسل جس سے اکثر جنگلی قبائل اور بعض اور قومیں تعلق رکھتی ہیں۔ آئیک اشٹیٹ نے اس کا نام وڈی نسل رکھا ہے۔

(ب) میلانی نسل خصوصاً جنوبی ہند کی جو ہندستان کے مغرب میں رہنے والے حبشیوں اور بحر روم کے علاقے کے لوگوں سے بہت مشابہ ہے لیکن اس سے بھی زیادہ جنوب مشرق یعنی بحرالکاہل کے علاقے میں رہنے والے ملانیشیوں سے۔

(ج) انڈی نسل جو ایک حد تک میلانی نسل سے مشابہ ہے لیکن اس میں وسط ہند اور شاید مشرق قریب کی نسلوں کا میل زیادہ ہے جس کی وجہ سے اس کے خط و خال کچھ مختلف ہیں خصوصاً رنگ زیادہ صاف اور زردی مائل ہے۔ مگر چونکہ رنگ ہر شخص کا عمر کی مختلف منزلوں میں بدلتا رہتا ہے اور دو چار پشتوں میں کچھ سے کچھ ہو جاتا ہے اس لیے یہ علامت کچھ زیادہ اہمیت نہیں رکھتی۔

دوسرے ملکوں کے ماحول کے اور تاریخ کے مختلف اثرات سے ان نسلوں کی شاخیں پیدا ہو گئیں جن میں سے ہر ایک کو آئیک اشٹیٹ نے مذکورہ بالا تین نسلوں میں سے کسی نہ کسی کے تحت میں رکھا ہے۔ اس طرح کل چھ نسلیں ہوئیں جن پر آئیک اشٹیٹ نے مشرق کی طرف سے آنے والی دو منگولی نسلوں اور مغرب سے آنے والی ایک مشرقی نسل (مسلمانوں) کا اور اضافہ کیا ہے۔ لیکن اس کی تفصیلات بیان کرنے

ہندوستان کا نقشہ نسلوں کے اعتبار سے

[جس میں پروفیسر بیرن آئیک اشٹیٹ کی تحقیقات کے نتائج دکھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ دیکھو "میسور کے قبیلے اور ذاتیں" جلد ۱، ۱۳۲]

وڈی نسل:
۱۔ مالی شاخ
۲۔ گونڈ شاخ

ملانی نسل:
۳۔ ملانی شاخ
۴۔ کولی شاخ

انڈی نسل:
۵۔ (نازک اندام) انڈی شاخ
۶۔ شمالی انڈی شاخ

۷۔ مختلف منگولی نسلیں

سے پہلے ہم یہ یاد دلانا ضروری سمجھتے ہیں کہ یہ تقسیم علم الانسان کے تاریخی تصور پر مبنی ہے۔ اس میں موجودہ صورت حال اور پچھلے چار پانچ ہزار کے تاریخی اور قبل تاریخی واقعات کا اثر دکھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ جن نسلی امتیازات کا ذکر کیا گیا ہے وہ نہ تو صاف اور واضح ہیں اور نہ کوئی بنیادی اہمیت رکھتے ہیں۔ نسلوں کی یہ تقسیم علم حیوانات کے اصول کے مطابق محض جسمانی خصوصیات کی بنا پر ہے۔ لسانی، قومی، مذہبی اور روایاتی خصوصیات کو یہاں بالکل مدنظر نہیں رکھا گیا۔

(الف) وڈی نسل لنکا کے وڈیوں سے بہت مشابہ ہے اور ایک حد تک جنوب مشرقی ایشیا کے بونوں سے بھی تعلق رکھتی ہے گو ان سے قد میں لمبی ہے۔ اور ان کے چہرے کا نقشہ اور گھونگھر والے بالوں کا طرز اس میں اتنا واضح نہیں۔ اس نسل کی علامت وہی بچوں کی سی شکل خصوصاً وہانہ اور چھوٹی نوک دار ٹھڈی، چپٹی چوڑی ناک اور چپٹا چہرہ ہے۔ اس کی ایک شاخ وسط ہند کی گونڈی نسل ہے جو وسط ہند کی سطح مرتفع میں پائی جاتی ہے۔ اس شاخ کی خصوصیات سب سے زیادہ گونڈ قبائل میں نمایاں ہیں اور ان میں کچھ خفیف سا میل قدیم منگولی نسل کا بھی ہے۔ دوسری شاخ مالی جنوبی ہند میں نظر آتی ہے اور اس میں وڈی نسل کی خصوصیات زیادہ واضح اور خالص ہیں۔ "مالی" دراوڑی زبانوں کے ایک لفظ سے ماخوذ ہے جو پہاڑ کے معنی میں آتا ہے اور اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مالی نسل زیادہ تر جنوبی ہند کے جنگلی اور پہاڑی قبائل پر مشتمل ہے۔ یہ لوگ ہندستان میں ٹوٹمی شکاریوں، مادری زراعتی قوموں اور مہنجوداڑو اور ہڑپا کی ترقی یافتہ شہری ریاستوں سے پہلے ہندستان میں رہتے ہوں گے۔

یہ ایک دلچسپ مشاہدہ ہے کہ وڈی نسل کا میل ہندستان کے ہر طبقے اور ہر علاقے کے لوگوں میں پایا جاتا ہے۔ ہندستان کے اصلی باشندے یعنی جنگلی قبائل ہمیشہ سے ایسے مظلوم اور حقیر "داسیو" نہیں تھے جیسے آریوں کے زمانے میں ہو گئے۔ یہ آزاد اور شریف لوگ تھے جو حملہ آور راجاؤں اور سرداروں کی اولاد سے شادی کرتے تھے جس طرح لنکا کے وڈی سنگھالیوں کی فتوحات کے زمانے میں۔ آج بھی جنگلی قوموں کی سماجی حیثیت اپنے ان بھائیوں سے اچھی ہے جنھوں نے ذات پات کے نظام کے آگے سر جھکا کر اپنے آپ کو پست کر دیا۔[۱۶] ان جنگلی قوموں کو بے تعصبی کی نظر سے دیکھنے والے ان کے حسن صورت، بلندی سیرت، صاف دلی، خوش مزاجی اور سادگی کی وجہ سے خاص طور پر پسند کرتے ہیں مگر یہ غریب کشمکش حیات میں ان چالاک اور کائیاں "مہذب قوموں" کے مقابلے میں نہیں ٹھیر سکتے جن سے ان کا سابقہ رہتا ہے اور جن کے طرز زندگی کو اختیار کرتے ہی وہ تہذیب و تمدن کے سارے عیب سیکھ لیتے ہیں۔ وڈی نسل کی مالی شاخ میں قریب قریب جنوبی ہند کے کل جنگلی قبائل شامل ہیں بجز ٹوڈا قبیلے کے۔ مالی نسل کے بال گونڈی نسل والوں کے مقابلے میں کسی قدر زیادہ خم دار ہیں اور ان کا رنگ زیادہ کالا ہے۔ مالی شاخ میں اصلی وڈی نسل کی خصوصیات گونڈیوں سے زیادہ موجود ہیں اس لیے کہ آخرالذکر میں بیرونی نسلوں خصوصاً منگولیوں کا میل بہت ہے۔ ان دونوں شاخوں کی اصلی زبان کا پتہ نہیں۔ آسٹریلوی ایشیائی زبانیں خصوصاً منڈری ہندستان میں بہت بعد میں یعنی اب سے صرف چار ہزار برس پہلے پہنچیں اس لیے وڈیوں کی اصلی زبانیں

نہیں سمجھی جا سکتیں ۔ یہ لوگ تقریباً سب کے سب کوئی نہ کوئی آریائی یا دراوڑی بولتے ہیں اور ایسے لہجے میں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ پہلے یہ ان کی زبان نہ تھی ۔

وڈیوں کی اہمیت صرف یہی نہیں کہ ان کے خون کا ہندستان کے ہر علاقے اور ہر طبقے کے لوگوں میں میل ہے بلکہ ان کی تعداد بھی بڑی ہے یعنی آئک اشٹیٹ کے اندازے کے مطابق دو کرور کے لگ بھگ ہے۔ ان میں گونڈ بھی شامل ہیں جو ہندستان کی سب سے خوبصورت اور ہونہار قوموں میں سے ہیں، اور اڑاؤں، کھونڈ، مرڈیا اور مڑیا قوموں کی طرح گونڈ بھی آسانی سے مٹنے والے نہیں بلکہ ترقی کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

نسلی حیثیت سے آئک اشٹیٹ وڈیوں کو قدیم ترین یورپی نسل سمجھتا ہے (جیسے آسٹریلیا کے بعض اصلی باشندے) اور ان کا مقابلہ جنوب مشرقی ایشیا کے قدیم ترین منگولیوں اور وسط افریقہ کے قدیم ترین حبشیوں سے کرتا ہے۔ اس کے خیال میں وڈیوں میں قدیم ترین یورپی نسل کی خصوصیات بدرجۂ اتم موجود ہیں لیے ان کا گہرا کالا رنگ جو ان میں اور میلانیوں میں مشترک ہے۔ علم الانسان کے نقطۂ نظر سے کوئی اہمیت نہیں رکھتا اس لیے کہ یہ آب و ہوا کا نتیجہ ہے نہ کہ نسل کا ۔

تاریخ تمدن کے لحاظ سے سب وڈی ہرگز یکساں نہیں ہیں۔ شمال مشرق کی گونڈی شاخ زیادہ تر ٹوٹی اور ایک حد تک زراعتی تہذیب کی حامل ہے اور اس پر ہندوؤں کی تہذیب کا اثر مقابلتہً زیادہ ہے۔ بعض قوموں مثلاً ماڑیا گونڈوں نے جو خاص طور پر قوی ہیں اپنی تہذیبی خصوصیات کو آج تک بہت کچھ قائم رکھا ہے۔ جنوبی یا مالی شاخ اولین تہذیب سے

بہت قریب ہی اور اس کے علاوہ مغربی ساحل یا ملا بار میں اس پر بیرونی مادری تہذیب کے اثرات کسی قدر تغیر کے ساتھ اور مشرقی ساحل پر ٹوٹمی اثرات نظر آتے ہیں۔ دکن کے شمال مشرق میں کادر، رپنیر، اِرولا، کورن۔ ہاسکر قومیں اور شاید چنچو قوم اور بنیادی وغیرہ جنگلی قبائل اس نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔

(ب) میلانی نسل کی آئگ اشٹیٹ کے نزدیک دو شاخیں ہیں، شمال مشرق میں کولی (اس میں سنتھال، گدابا، پانو اور بعض اور نسلیں داخل ہیں جن کا سلسلہ شمال میں راچوناٹے تک چلا گیا ہی) اور کرناٹک کے زرخیز میدانوں میں جنوبی میلانی جو ایک قدیم شائستہ تہذیب کے دو کرور عاملوں پر مشتمل ہی جن کی زبان تامل ہی

میلانیوں (یعنی کولیوں اور جنوبی سلانیوں دونوں) کی نسلی خصوصیات میں بحر روم کے علاقے کی نسل کا رنگ غالب ہی۔ کچھ خفیف سا رنگ وڈیوں کا اور اس سے گہرا جزائر بحرالکاہل کے ملانیشیوں کا ہی جو حبشی نسلوں میں بھی پایا جاتا ہی۔ ان کے گہرے سیاہ رنگ کو جس کی وجہ سے ان کا نام میلانی رکھا گیا ہی (میلوس یونانی زبان میں سیاہ کے معنی میں آتا ہی) آئگ اشٹیٹ نے نسلی خصوصیات کی حیثیت سے بے جا اہمیت دی ہی اس بات پر کافی غور نہیں کیا جاتا کہ رنگ بدل بھی سکتا ہی۔ چنانچہ حبشیوں کا رنگ شمالی امریکا کی ریاستوں کی آب و ہوا میں تین چار پشت رہنے کے بعد بہت صاف ہو گیا اور یورپی کاشت کار جو گرم ملکوں میں بس گئے ہیں ان کا رنگ سانولا ہو گیا ہی۔ اس قدرتی عمل کو اب مصنوعی طریقوں سے روکنے کی کوشش کی جا رہی ہی اس لیے کہ موجودہ زمانے

چنچو قبیلہ کا ایک باپ اور اُس کی بیٹی

یہ قبیلہ ہندستان کے شمالی سرے کے جنگلوں میں رہتا ہو اور مالی نسل اور اولین تہذیب کی اس منزل سے تعلق رکھتا ہو جس میں غذا اکٹھا کی جاتی ہو۔ مصنف نے یہ تصویر اس وقت لی تھی جب وہ ریاست حیدرآباد کے چنچو قبائل کا مطالعہ کرنے کے لیے ضلع محبوب نگر میں دریائے کرشنا کے شمالی علاقہ میں گئے تھے۔ انھوں نے دیکھا کہ یہ جوان بڑے اہتمام سے اپنے بچے کو جنگلی آم کھلا رہا ہو۔ یہ باپ بیٹی اس جھونپڑی میں رہتے تھے۔ بچی کی ماں نمونیہ میں مبتلا ہوکر مرگئی تھی۔ یہ مرض اُسے غالباً کپڑے پہننے کی وجہ سے ہوا تھا، جس کا رواج اب چنچو قوم میں شروع ہوگیا ہو۔ کپڑے پہننے کی وجہ سے گرمیوں میں جسم کی حرارت بہت بڑھ جاتی ہو اور اگر گیلے کپڑے پہن لیے جائیں تو برسات میں سردی لگ جانے کا اندیشہ ہوتا ہو۔ جب سے جنگل میں کپڑے پہنے ہیں عورتوں کی شرح اموات بڑھ گئی ہو۔ اس لیے کہ وہاں نہ کپڑوں کو دھونا ممکن ہو اور نہ بدلنا

اس شخص کی تصویر سے مالی نسل کی خصوصیات ظاہر ہیں۔ چنچو قبیلے کی جھونپڑیاں مخروطی شکل کی ہوتی ہیں۔

کے لوگوں میں بدقسمتی سے یہ خیال پیدا ہوگیا ہے کہ خوشنما اور صحت آگیں
کالا رنگ محکوم قوموں کی علامت ہے۔ پھیکا گورا رنگ پیدا کرنے کے لیے
جس میں صحت بخش رنگ کے خلیوں کے نہ ہونے کی وجہ سے چہرے
پر مردنی چھائی رہتی ہے۔ مضرت رساں غازے وغیرہ استعمال کیے جاتے
ہیں۔ یہ سورج کی کرنوں کو روکتے ہیں جو جسم میں حیاتین پہنچاتی ہیں، رنگ
کے خلیے پیدا کرتی ہیں اور گرمی کو برداشت کرنے کی قوت بخشتی ہیں۔ لیکن
سیاہ رنگ سے قطع نظر کرکے دیکھیے تو میلانیوں میں کئی نسلی خصوصیات
ایسی ہیں جن کی بنا پر وہ ہندستان کی تیسری نسل یعنی انڈیوں کے مقابلے
میں ہندستان کے مغرب میں رہنے والے حبشیوں اور مشرق میں رہنے
والے ملانیشیوں سے زیادہ مشابہ ہیں۔ ان خصوصیات میں بھرے بھرے
ہونٹ، خمدار بال، چھریرا سڈول بدن اور جسم اور ٹانگوں کا تناسب
قابلِ ذکر ہے۔ آٹک اشٹیٹ کا خیال ہے کہ ایک جنوبی حبشی نسل برفانی عہد
میں الگ ہوگئی اور اس نے شمالی ایشیا کے میدانوں کی نسلوں سے
مختلف نشوونما کا رُخ اختیار کیا۔

میلانیوں کی کولی شاخ پر گونڈیوں کا نمایاں اثر ہے اور منگولیوں اور
انڈیوں کا میل بھی ان میں اس سے زیادہ ہے جتنا تامل کے علاقے کے
جنوبی میلانیوں میں جن کی نسل مقابلتہً خالص کہی جاسکتی ہے۔

میلانیوں نے اپنی اصلی زبان اس زمانے میں کھودی جب انڈیوں
نے ہندستان میں دراوڑی زبانوں کو رائج کیا۔ آج کل جنوبی میلانی تامل
اور ان میں سے بعض ملایالم بولتے ہیں اور ان کی شمال مشرقی شاخ
یعنی کولی زیادہ تر آریائی زبانیں اور کم تر آسٹریلوی بولیاں (منڈری)

بولتے ہیں۔

تاریخ تمدن کے لحاظ سے بھی یہی دو رنگی نظر آتی ہے۔ کوئی شاخ
میں کچھ ٹوٹمی تہذیب کا اور کچھ ہندو تہذیب کا رنگ ہے لیکن جنوبی میلانی
سینکڑوں ہزاروں برس سے، کم سے کم سن عیسوی کی ابتدائی صدیوں سے
جب بدھ مت پر زوال آیا۔ ہندو تہذیب کے رنگ میں ڈوبے ہوئے
ہیں گو ان کی قدیم تہذیب کے کچھ ٹوٹمی اور کچھ مادری آثار بھی باقی ہیں۔
آیا میلانیوں کا تعلق انڈیوں (تیسری ہندستانی نسل جس کا اب ذکر
آئے گا) سے اس سے زیادہ ہے یا نہیں جتنا آئک اشٹیٹ نے فرض کیا
ہے۔ اس کا فیصلہ ہم یہاں نہیں کر سکتے۔ صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ سیاہ
رنگ جو دونوں نسلوں کے فرق کی سب سے بڑی علامت ہے نسلی خصوصیت
کے لحاظ سے ہرگز وہ اہمیت نہیں رکھتا جو آج کل کے علم الانسان میں اسے
دی جاتی ہے اور رنگ سے قطع نظر کر کے بحر روم کے علاقے کی نسلوں کی
خصوصیات جنوبی میلانیوں میں اتنی ہی نمایاں ہیں جتنی انڈیوں میں۔
انڈی نسل میں صرف رنگ ہی نہیں بلکہ اور خصوصیات کے لحاظ سے
حبشی نسل کا اثر کم نظر آتا ہے انڈیوں کی ناک اگرچہ چوڑی اور جڑ کے پاس
مثلث نما ہے لیکن زیادہ ابھری ہوئی ہے۔ ہونٹ ان کے بھی میلانیوں کی
طرح بھرے بھرے ہیں لیکن بال میلانیوں کے مقابلے میں سیدھے اور
جسم بھدا ہے۔ یہ اختلافات جنوبی انڈی شاخ میں کم اور شمالی یا شمال مشرقی
انڈی میں بہت زیادہ نمایاں ہیں۔ جنوبی انڈی زیادہ خوبصورت اور خوش
اندام ہیں۔ ان کے ہاتھ پانو نازک اور ہڈیاں پتلی ہیں۔ شمالی انڈی کسی
قدر موٹے اور بھدے ہوتے ہیں۔ چوڑی ہڈی اور بھاری جسم ان کی

خصوصیت ہے۔ جنوبی انڈیوں میں بحر روم کے علاقے کی نسلوں اور کچھ خفیف سے مشرقی نسلوں کے میل کے سوا کوئی بیرونی عنصر نمایاں نہیں ہے۔ بہ خلاف اس کے شمالی انڈیوں میں بحر روم کے عناصر کے علاوہ تورانیوں اور شاید دوسری شمالی نسلوں کے اثرات صاف ظاہر ہیں۔ ان کے چہرے کا رنگ ہلکا بادامی زردی کی جھلک لیے ہوئے ہوتا ہے۔ یہی بالائی ہند کے برہمنوں کا گندمی رنگ ہے جس کی اس قدر تعریف کی جاتی ہے۔ لیکن ہم کئی بار کہہ چکے ہیں کہ چہرے کا رنگ کوئی خلقی نسلی علامت نہیں بلکہ ماحول کے اثرات کا یا بعض مصنوعی چیزوں کا نتیجہ ہوتا ہے۔ جب سے باہر کے حملہ آوروں نے ہندستان پر فتح پائی اور ان کی اولاد یعنی برہمن حُسن کا کامل نمونہ سمجھے جانے لگے۔ ہندستان میں یہ فیشن ہوگیا ہے کہ نکھار (ابٹنا) مل کر چہرے کو سورج کی حیاتین پہنچانے والی کرنوں سے محروم رکھا جاتا ہے اور اس طرح ہلکا پیلا رنگ پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اسی طرح خوبصورت گھونگھر والے بالوں کو تیل ڈال کر اور کنگھی کر کے سیدھا کیا جاتا ہے۔ اس طرح دو نسلی خصوصیتیں برباد کی جا رہی ہیں تاکہ اپنی صورت کو غیر ملکی معیارِ حُسن کے مطابق بنالیں۔ یورپ میں جس شخص کے بدنما زرد رنگ کو سورج کی صحت بخش کرنیں سانولا کر دیں وہ اس پر فخر کرتا ہے اور طرح دار خواتین گھونگھر والے بال بنانے کے لیے خاص تراشوں کو بڑی بڑی رقمیں دیتی ہیں۔ ادھر ہندستان کے لوگ جن میں یہ خوبیاں قدرتی طور پر موجود ہیں طرح طرح کی تکلیفیں اٹھا کر اور اپنی صحت کو نقصان پہنچا کر انھیں مٹانے کے درپے ہیں۔ اس ناشکری کا کیا ٹھکانا ہے۔

جنوبی انڈیوں کا گھر دکن کا تلنگی بولنے والا علاقہ مغربی ساحل خصوصاً

ملابار، وادی گنگا اور بنگال ہے۔ شمالی انڈی شاخ دہلی اور کابل کے درمیان آباد ہے اور اس کا تھوڑا بہت سلسلہ سندھ تک چلا گیا ہے۔ ملابار کے نیلگری پہاڑ کی ٹوڈا قوم اور بعض اور مہاجر قبائل جو ہندستان کے مختلف حصوں میں پھیلے ہوئے ہیں اسی نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔ راجپوتوں اور بیوپاریوں کی بہت سی ذاتیں اور اکثر بنجارے بھی اسی ذیل میں شمار کیے جا سکتے ہیں۔ پنجاب کے محنتی کسان اور ضبط شعار مگر کسی قدر اکھڑ سپاہی شمالی انڈی نسل کا مثالی نمونہ سمجھے جا سکتے ہیں۔ داڑھی اور دوسری ثانوی مردانہ خصوصیات ان کے مردوں میں دنیا کی اور بہت قوموں سے زیادہ نمایاں ہیں۔ عورتیں عام طور پر دوسری ہندستانی عورتوں کے مقابلے میں جو اپنی نزاکت اور لچک کے لیے دنیا میں مشہور ہیں۔ بھاری اور بھدی ہوتی ہیں۔ لیکن ہندستانیوں کی دو اور مشہور صفات یعنی حسین آنکھیں اور خم دار پپوٹے شمالی انڈیوں کی عورتوں بلکہ مردوں میں بھی موجود ہیں۔ پنجاب کا خالص سکھ غالباً اس نسل کا بہترین نمونہ ہے۔

جنوبی انڈیوں کی اصلی بولی غالباً کوئی دراوڑی زبان ہوگی۔ آیا یہ زبانیں ہندستان ہی میں پیدا ہوئیں یا باہر سے، شاید عراق عرب یا ایشیائے کوچک سے آئیں۔ اس کا فیصلہ ابھی تک نہیں کیا جا سکتا۔ یقیناً انڈی نسل خصوصاً جنوبی انڈی شاخ کا، سندھ کی قبل آریائی تہذیب اور مہنجوڈارو کی تاریخ میں بہت نمایاں حصہ تھا۔ غالباً اس زمانے میں وہاں کوئی دراوڑی زبان بولی جاتی تھی لیکن آج کل انڈی نسل کی غالب تعداد آریائی زبانیں بولتی ہے۔ یہ زبانیں ہندستان میں غیر ملکی شمالی نسلیں لائی ہوں گی جو شادی بیاہ کے ذریعے انڈیوں سے مل جل گئیں اور اس طرح شمالی انڈی شاخ وجود میں آئی۔ تاریخ تمدن کے لحاظ سے سب انڈی کم و بیش وسط ایشیا اور شمالی ایشیا

کے خانہ بدوش گلہ بانوں کی تہذیب سے متاثر ہیں۔ یہ بات ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں پر صادق آتی ہے۔ اس لیے کہ دونوں کے ہاں پدری مشترکہ خاندان، مردوں کی حکومت عورتوں پر اور بڑوں کی چھوٹوں پر اور بہت سی مذہبی اور معاشرتی رسوم پائی جاتی ہیں جو قبل آریائی ہند اور قدیم عرب میں نہیں تھیں۔ ہندو تہذیب اور مسلم تہذیب میں اخواہ لوگ کتنا ہی بڑا فرق سمجھیں اور ہندو مسلمانوں کے مذہبی عقائد میں کتنا ہی زیادہ اختلاف کیوں نہ دکھایا جائے معاشرتی تصورات اور مذہب کے عمرانی پہلو کے لحاظ سے دونوں خانہ بدوش گلہ بانوں کی تہذیب کے رنگ میں بڑی حد تک ڈوبے ہوئے ہیں۔

(د) غیر ملکی نسلی عناصر۔ ہم قدیم منگولی اور تورانی نسلوں کا ذکر کر چکے ہیں جن کی جھلک ہندستان کے مختلف علاقوں اور قوموں میں صاف نظر آتی ہے۔ منگولیوں کا اثر شمال مشرقی حصے میں اور تورانیوں کا شمال مغربی حصے میں زیادہ ہے۔ لیکن بعض سیلانی قبائل نے ان عناصر کو سارے ملک میں پھیلا دیا ہے۔

ایک اور غیر ملکی عنصر ہندستان کی تاریخ نسلیات میں "مشرقی" نسل کا ہے۔ ان لوگوں میں جو مشرق قریب سے آئے ہیں زیادہ تر عرب، آرمینی، یہودی، مغربی (یعنی شمالی) ترک اور ایرانی شامل ہیں جن میں سے بعض حضرت محمد مصطفےٰ اور حضرت عیسےٰ سے بھی پہلے ہندستان کے مغربی ساحل پر آباد ہو گئے تھے اور بعض بعد میں آئے ہیں۔ لیکن سب سے زیادہ میل جدید "مشرقی" نسل کا شمالی ہندستان میں نظر آتا ہے جہاں ہم مسلمانوں کو ہندستان اور مشرق قریب کی درمیانی کڑی سمجھ سکتے ہیں لیکن

یہاں بھی بعض مشرقی عناصر آنحضرت اور حضرت مسیح سے پہلے پہنچ چکے تھے۔ سکندر اعظم کے حملے اور اس کی وفات ۳۲۳ ق۔م کے بعد یونانی باختری سرداروں کے عہد میں، جلیل القدر بدھ بادشاہ کنشک (جس نے پشاور میں ۱۲۰ء سے ۱۶۲ء تک حکومت کی) اور کشن بادشاہوں کے زمانے میں (۲۲۰ء تک) بہت سی مشرقی قومیں یونان، مقدونیہ، ایشیائے کوچک اور اس کے آس پاس کے ملکوں سے آکر ہندستان میں بس گئیں لیکن ان اصلیت نما تصویروں سے جو مہنجو دارو میں پائی گئی ہیں معلوم ہوتا ہے کہ وہاں تورانی اور اغلباً "مشرقی" عناصر بھی اب سے پانچ ہزار سال پہلے موجود تھے۔

اگرچہ ہندستان کی تاریخ تمدن (علم الاقوام) کی اس چھوٹی سی کتاب میں اس کی گنجائش نہیں کہ "مشرقی" اور بحر روم کے علاقے کی (مثلاً میلانی اور جنوبی انڈی) نسلوں اور تورانی نسل کا فرق تفصیل سے بیان کیا جائے پھر بھی اس کے متعلق چند الفاظ کہہ دینا ضروری ہے۔ اونچی، بھری بھری مگر پتلی طوطے کی سی ناک "مشرقی" نسل اور بحر روم کے علاقے کی نسلوں میں سب سے بڑا نشان امتیاز ہے۔ اسی طرح مشرقی نسلوں میں خوبصورت لمبے کسی قدر خمدار پپوٹے جو ہندستانی عورتوں کے معیار حسن کا ایک اہم جز ہیں زیادہ نمایاں اور واضح ہیں۔ دوسری طرف مشرقی نسل کے لوگوں میں تورانیوں کی سی چوڑی ہڈی اور بھاری اور بھدا جسم بحر روم کے علاقے کی نسلوں سے زیادہ پایا جاتا ہے۔

۴۔ تاریخ تمدن (علم الاقوام)

ہندستان تاریخ تمدن کے لحاظ سے دنیا کے سب ملکوں میں ایک خاص حیثیت رکھتا ہے۔ اس لیے کہ یہاں چاروں تہذیبی دائروں (ادیین،

مادری، ٹوٹمی اور خانہ بدوش گلہ بانوں کی تہذیب) کے اثرات اور باقیات صاف نظر آتے ہیں مگر پھر بھی سارے ملک میں (اگر سچین ایہرن فیلس کی نفسیات کی اصطلاح میں) ایک خاص "کیفیت صورت" پائی جاتی ہو جسے ہم ہندوپت کہا کرتے ہیں۔

اس کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ سب ہندستانی ہندو ہیں۔ نگہ ہندو تہذیب کے بعض قبل آریائی بنیادی عناصر اور دیوتاؤں کے بہت سے آریائی نام اور وہ تصورات جو ان ناموں سے وابستہ ہیں قریب قریب سب ہندستانی قوموں میں عام ہیں۔

اس کے علاوہ آریائی زبانیں بولنے والے حملہ آوروں کی تہذیب میں (جو خانہ بدوش گلہ بانوں کے رنگ میں ڈوبی ہوئی تھی) اور وادی سندھ کی ترقی یافتہ مادری شہری تہذیب میں جو ٹکر ہوئی اس سے بہت سے مخصوص ہندستانی تہذیبی عناصر پیدا ہوئے جن کو رفتہ رفتہ ہندستان کی مختلف قوموں نے اختیار کر لیا۔ ہندستان کی تہذیبی خصوصیات کا مطالعہ کیا جائے تو ان میں سے اکثر اس کشمکش کا نتیجہ ثابت ہوں گی جو حملہ آور خانہ بدوش گلہ بانوں اور مادری شہری ریاستوں میں ہوئی تھی۔ یہ ریاستیں جو تہذیب و تمدن کے لحاظ سے (معاشی، علمی اور مذہبی حیثیت سے) ان حملہ آوروں سے اسی قدر برتر تھیں جتنے وہ سیاسی اور فوجی قوت میں ان ریاستوں سے بڑھے ہوئے تھے۔ یہ ثابت کیا جا سکتا ہو کہ تعدد ازدواج، بچپن کی شادی اور بیوہ کی تحقیر کا دستور خاص اسی لیے رائج کیا گیا کہ ہندستان کی عورتیں جو ایک زمانے میں نسوانی عظمت و شان کا نمونہ تھیں ان کی آزادی اور خودداری کا خاتمہ کر دیا جائے۔ اس کے علاوہ ذات پات

کے نظام کی وہ شکل جو بعد میں اختیار کی گئی، برہمنوں کی فوقیت، دیسی نیچ ذاتوں سے نفرت اور ان کی تحقیر، گوشت کھانے والوں کی ذلّت بھی غالباً اسی خواہش کے بالواسطہ نتائج ہیں کہ آریوں اور برہمنوں کے آنے سے پہلے مادری تہذیب اور عورتوں کی حکومت میں جو چیزیں قابلِ عزت سمجھی جاتی تھیں انھیں ذلیل کیا جائے۔

دیویوں کی پوجا، گائے کا احترام، لنگم کے پردے میں نجات دہندہ شیو اور اس کی شکتی (بھاگوتی، کالی، دُرگا) کی پرستش، مذہبی اور معاشرتی رسموں میں لال رنگ کا استعمال، نہانے کی مذہبی اہمیت، لڑکیوں کی پہلی ماہواری کے موقع پر بلوغ کی رسمیں، خاندان کی مذہبی اور معاشرتی زندگی میں ماموں کی اہمیت، بوڑھی ماں کی عزت (باوجود اس کے کہ بیواؤں، کنواری لڑکیوں، بہوؤں کی حیثیت بہت پست سمجھی جاتی ہے) یہ سب چیزیں ہندستان کی قدیم مادری تہذیب سے لی گئی ہیں اور کسی قدر تغیّر کے ساتھ اب تک موجود ہیں۔

اس لیے ہندستان کی عام تاریخ تمدن کا ایک مختصر ساخاکہ پیش کرنے سے پہلے ہم یہ یاد دلا دینا چاہتے ہیں کہ:۔

(الف) ہندستان میں سب تہذیبی دائروں کے باقیات اب تک موجود ہیں۔

(ب) ایک خاص "کیفیت صورت" یعنی ذات پات کا نظام سارے ملک میں پھیل گیا ہے اور اس کی بنیاد پدری اور مادری تہذیب کی کشمکش پر ہے۔

ظاہر ہے کہ اس کے یہ معنی نہیں کہ ہندستان کی سب تہذیبیں ہندو

تہذیبیں ہیں یا خود ذات پات کے نظام کو سب قوموں نے اختیار کر لیا ہے۔
لیکن وہ معاشرتی بنیاد جس پر یہ نظام اور برہمنی نظام کا سارا تصور بنی
ہے آج کل ہندستان کی سب تہذیبوں میں قریب قریب یکساں طور پر
موجود ہے۔

ہندستان کے تہذیبی طبقے اور ان کی تاریخ کا خاکہ:۔

قریب قریب سارے ہندستانی ذات پات کے نظام، برہمنوں کی
برتری، عورتوں کی کم تری کے تصوّر اور دیوتاؤں کے ناموں سے جو
آریائی زبانوں یا اور غیر ملکی زبانوں سے لیے گئے ہیں کسی نہ کسی حد تک
متاثر ہیں۔ لیکن اس اثر کے بہت سے مختلف درجے ہیں اور بہت سے
جنگلی قبائل نے اس اثر کے باوجود اپنے خاص معاشی، معاشرتی اور مذہبی
تصورات کو بڑی حد تک محفوظ رکھا ہے جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ہندو
تہذیب کا رنگ چڑھنے سے پہلے یہ اولین تہذیبی دائرے سے تعلق رکھتے
تھے۔ بعض صورتوں میں خصوصاً جنوبی ہند میں یہ ہندو بنائے جانے کا عمل
اب سے صرف پچاس یا سو برس پہلے شروع ہوا ہے۔ جنوبی ہند کے شمال
مشرقی حصے میں چنچو اور ینادی (اگرچہ یہ دونوں پڑوس کی ٹوٹمی تہذیب سے
متاثر ہیں) ملا بار میں ایراولر، جنوبی کنڑا اور میسور میں ہاسلر، جنوب مغرب
کے پہاڑی علاقے میں اِرولر خصوصاً انالے اور کوئمبٹور کے پہاڑوں میں
کادِر، اور اسی جنوب مغربی خطے میں کُرمبا، مالا پنترم، مالا پولین، مالا سار
مالا یالی، شولاگا، پنیر اس کی بہترین مثالیں ہیں۔ ان کے علاوہ وسط ہند
اور شمالی ہند کے قبائل جو اب ٹوٹمی اور ہندو تہذیب سے متاثر ہیں۔

تھوڑے دن پہلے اولین تہذیب سے بہت قریب رہے ہوں گے "تھوڑے دن" کے معنی تاریخ میں کچھ اور ہیں اور علم الاقوام میں کچھ اور۔ (علم الاقوام یا تاریخ کی نظر میں چند سو سال بہت تھوڑا عرصہ ہی) یہاں تک کہ بھیل بھی جو اب ایک آریائی زبان بولتے ہیں اور کاشتکاری کرتے ہیں ٹوٹمی اور ہندو تہذیب سے بہت کم متاثر ہیں اور ان میں کم سے کم قرون وسطےٰ تک اولین تہذیب باقی تھی۔ آج کل ہندویت کا رنگ چڑھ جانے سے ان کے معاشری اور معاشی نظام میں وہ اچھوتا پن نہیں رہا اور مذہب بھی انھوں نے ہندوؤں کا اختیار کرلیا ہی۔ لیکن ان کی کہانیوں اور مثلوں اور بہت سی رسموں میں ان کی پُرانی اولین تہذیب کی جھلک اب بھی نظر آتی ہی۔ جب میں رتبھاپور میں پروفیسر و۔ کوپرس کے ساتھ جو وہاں بھیلوں کی زندگی کا مطالعہ کر رہے تھے، جاکر رہا تھا تو میں نے خود یہ بات دیکھی تھی۔ امید ہی کہ پروفیسر صاحب اپنا مطالعہ ختم کرنے کے بعد وسط ہند کے مختلف قبائل خصوصاً بھیلوں کے متعلق قابل قدر کتابیں شائع کریں گے۔ جو شخص ان لوگوں کا ذاتی تجربہ رکھتا ہی اسے ان کا لقب جرائم پیشہ قبیلہ سُن کر سخت تعجب اور افسوس ہوتا ہی۔

بھیلوں اور اس قسم کے دوسرے قبائل کی معاش اب تک غذا کے جمع کرنے کے سیدھے سادے طریقے پر منحصر ہی۔ جو اولین تہذیب کے حاملوں کی خصوصیت تھی۔ عورتیں اب تک کھودنے کی لکڑی سے وہ جڑیں کھود کر نکالتی ہیں جو کھانے کے کام آتی ہیں اور مرد تیر کمان سے چھوٹے جانوروں کا شکار کرتے ہیں۔ شکار کی ہندستان میں پچھلے تیس پچاس برس میں بہت کمی ہوگئی ہی اس لیے کہ جنگل، جو ملک کی ایک

بڑی دولت ہے اور جس سے آب و ہوا کی اصلاح ہوتی ہے، باقی نہیں رہا۔
غذا جمع کرنے کا طریق معیشت بہت وسیع ہے اور اس اصول پر مبنی ہے کہ
قبیلہ ایک علاقے میں اس وقت تک رہتا ہے جب اسے کھانے کے لیے
جانور اور پودے میسر آتے ہیں۔ اس طرح ملک کے قدرتی وسائل برباد
نہیں ہوتے۔ غذا جمع کرنے والے صرف وہی چیزیں لیتے ہیں جو فاضل
ہوتی ہیں اور جب وہ ختم ہو جاتی ہیں تو دوسری جگہ چلے جاتے ہیں۔
انھیں بہت وسیع رقبے کی ضرورت ہے اور جب اس میں کمی آجائے
تو انھیں فاقوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اگر ہندستان میں جنگل اسی طرح
کٹتے رہے تو علاوہ اس کے کہ سارا ملک بارش سے محروم ہو جائے
گا اس کے سب سے پرانے باشندوں کی معاش کا سہارا جاتا رہے گا۔
چنانچہ کُل جنگلی قبائل بلا تفریق سخت مصیبت میں مبتلا ہیں۔ پچھلے آٹھ
دس ہزار سال سے وہ چین سے بسر کر رہے تھے اور یہ صورت کبھی
پیش نہیں آئی تھی۔ اس لیے یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ان کی محتاجی اور فاقہ
زدگی ان کی سادگی اور "ابتدائیت" کی وجہ سے نہیں ہے۔ جیسا لوگ
عام طور پر سمجھتے ہیں بلکہ ہندستان میں جنگلوں کے کٹنے اور آبادی کے
بڑھنے سے ان کی معاش کا میدان تنگ ہو گیا ہے۔ اس پر طرّہ یہ کہ ان
پر ہندو تہذیب کا رنگ چڑھایا جا رہا ہے اور وہ صحت کو برباد کرنے والا
لباس پہننے پر مجبور کیے جا رہے ہیں۔ و۔ و۔ گرگسن نے اس کا ذکر کرتے
ہوئے کہ کپڑے پہننے کی وجہ سے گونڈ جیسی مضبوط قوم کی صحت کو بھی
نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے بہت ٹھیک کہا ہے "صرف اسی وجہ سے کہ وہ
بہت کم کپڑے پہنتے ہیں انھیں (یعنی گونڈوں کو) خارش داد وغیرہ کی

شکایت کم ہوتی ہے۔ باڑیا، مڑیا اور دوسرے میدانی قبائل کے مقابلے میں جو لباس میں ہندوؤں کی تقلید کرتے ہیں لیکن اتنے غریب ہیں کہ نہ کپڑے بدل سکتے ہیں اور نہ دُھلوا سکتے ہیں۔ سرکاری اسپتالوں میں سب سے زیادہ جلدی امراض کے مریض آتے ہیں اور ان کا علاج بے کار ہے، اس لیے کہ وہ گندے کپڑے پہننا نہیں چھوڑتے۔ خوش قسمتی سے کوٹ اور واسکٹ ابھی تک پہاڑوں میں نہیں پہنچی۔[۱۲۵] آگے چل کر وہ کہتے ہیں "جلدی امراض........ خاص طور پر" ارنا بھینسے کے سینگ والے" باڑیا اور مڑیا قبائل میں پھیلے ہوئے ہیں جو ہندو تہذیب کے اثر سے کپڑے پہننے لگے ہیں...... پہاڑی باڑیا اور مڑیا جو صرف ایک چھوٹی سی دھوتی باندھتے ہیں ان امراض میں کم مبتلا ہوتے ہیں۔[۱۲۶] جب مضبوط اور ورزشی گونڈ قوم کو اتنا نقصان پہنچتا ہے جن کی زندگی میں تہذیب کی مضرتوں کی تلافی کرنے والے عناصر موجود ہیں تو آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ کپڑے پہننے کے خبط کی بدولت جنگی قوموں کا کیا حال ہوگا۔ علاوہ اس بلا واسطہ نقصان کے جو زیادہ کپڑے پہننے سے پہنچتا ہے بعض بالواسطہ نقصانات نے ان غریبوں کی مصیبت میں اور اضافہ کر دیا ہے۔ سینکڑوں سال سے جنگلی قبیلوں اور شہر کے لوگوں میں چھوٹی چھوٹی چیزوں کی تجارت ہوتی آئی ہے۔ پہلے غریب پہاڑی جنگل کی پیداوار کے بدلے کھانے پینے کی چیزیں، دوائیں یا کم سے کم زیور لے جاتے تھے جو ضرورت کے وقت بیچے جا سکتے تھے۔ لیکن آج کل غیر ذمہ دارانہ پروپگنڈا کی بدولت جو اکثر "انسانی ہمدردی" کے پردے میں کیا جاتا ہے یہ لوگ اپنی ساری پونجی کپڑوں میں لگا دیتے ہیں ایک تو اِن سے اُن کی

صحت کو نقصان پہنچتا ہے دوسرے یہ چند روز میں پھٹ پھٹا کر برابر ہو جاتے ہیں اور انھیں بیچ کر کچھ ہاتھ نہیں آسکتا۔ یہ افسوس ناک معاشی حالت جنگلی قبیلوں کی کپڑے پہننے کے خبط نے کر دی ہے۔ یہ خیال بالکل غلط ہے کہ ان کی حالت اس سے پہلے بھی اتنی خراب تھی جب جنگلوں کے کٹنے اور کپڑوں کے خبط نے ان کی ساری معیشت کو ڈانواں ڈول کر دیا۔ چونکہ وہ کچھ دن کے بعد ایک جنگل سے دوسرے جنگل میں چلے جایا کرتے تھے اس لیے ظاہر ہے کہ ان کی زندگی نیم خانہ بدوشانہ رنگ کی تھی اور وہ مضبوط مکان نہیں بناتے تھے۔ اب بھی ہمیں ان جنگلوں میں جہاں کوئی قبیلہ آزادی سے اپنی پرانی زندگی بسر کر رہا ہے جا بجا پتّوں کی بنی ہوئی جھونپڑیاں خالی پڑی ہوئی نظر آتی ہیں۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ ان کے رہنے والے ختم ہو گئے بلکہ یہ ہیں کہ وہ جنگل کے کسی اور حصے میں چلے گئے جہاں زیادہ پھل، جڑیں دوسری جنگلی چیزیں اور جانور موجود ہیں۔ اس طریقے میں ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ جھونپڑیوں کے ایک مدت تک خالی رہنے سے متعدی امراض کے جراثیم ہلاک ہو جاتے ہیں۔

ہندستان کی اکثر جنگلی قوموں کی معیشت میں ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ ان کے ہاں پتھر کے اوزار نہیں ہیں جو آسٹریلیا کے اصلی باشندے ملانیشی اور جزیرۂ انڈمن اور جزیرۂ نکوبار کے رہنے والے استعمال کرتے ہیں۔ کچھ عرصے پہلے تک جنگلی قوموں کے تعلقات ہندوؤں سے بہت کم تھے اور لوگ سمجھتے تھے کہ شاید اسی وجہ سے لوگوں نے پتھر کے اوزاروں کا استعمال ترک کر دیا۔ لیکن غالباً اصلی وجہ یہ ہے کہ ہندستان میں اولین تہذیب ابتدائی عہد حجری کی تہذیب کے درجے تک پہنچنے

ہی نہیں پائی بلکہ یہاں قبل حجری "بانس کی تہذیب" کا رواج تھا جس میں پتھر سے کام نہیں لیا جاتا اور جس کا نمونہ ہمیں جنوب مشرقی ایشیا اور وسطی افریقہ کے بونوں میں اب تک نظر آتا ہے۔ اگر یہ خیال صحیح ہے تو مدراس کی ابتدائی دستی تبر کی تہذیب کا ان جنگلی قوموں کے آبا و اجداد سے کوئی تعلق نہیں ہوگا بلکہ وہ کسی عہد متاخر کی مادری زراعتی تہذیب کی یادگار ہوگی۔ لیکن یہ مسئلہ ابھی تک حل نہیں ہو سکا اس لیے کہ جنوبی ہند کے شمال مشرقی حصے کے جنگلی قبائل میں بعض ٹوٹمی عناصر جنوب مشرقی حصے کے قبائل میں مادری عناصر بھی نظر آتے ہیں۔ چونکہ ایک جگہ جنگلی قبائل کے پڑوس کے دیہات اور قصبات میں ٹوٹمی تہذیب کا اور دوسری جگہ مادری تہذیب کا زور ہے اس لیے قرین قیاس ہے کہ ان قبائل نے ٹوٹمی اور مادری عناصر باہر سے لیے ہوں گے جس طرح انھوں نے پچھلی چند صدیوں میں ہندو دیوتاؤں، ان دیوتاؤں کے آریائی ناموں ہندوؤں کے بہت سے مذہبی اور قومی تصورات اور تہذیبی عناصر کو اختیار کر لیا ہے۔ کادر قبیلہ جو ۱۳۰۰ نفوس پر مشتمل ہے اور کوچین کے نیلیمیاتھی اور کاویسری پہاڑوں اور کوئمبوڑ کی انالے پہاڑیوں میں رہتا ہے[۱۲۵] تاریخ تمدن کے لحاظ سے ہندستان کے جنگلی قبیلوں کا مثالی نمونہ سمجھا جا سکتا ہے۔ اگرچہ جسمانی خصوصیات کے اعتبار سے اس میں وڈی عنصر کم اور جنوب مشرقی ایشیا کی حبشی نسل کا اثر اتنا زیادہ ہے جتنا جنوبی ہند کے کسی اور جنگلی قبیلے میں نہیں۔ ان کو دیکھتے ہی یہ خیال ہوتا ہے کہ یہ حبشیوں اور بونوں کی مخلوط نسل ہے اور ان کے گھونگھر والے بالوں اور پستہ قد سے اس خیال کو اور بھی تقویت پہنچتی ہے۔ مردوں کا قد شاذ و نادر پانچ فٹ تین انچ تک

پہنچتا ہی اور عورتوں کا تو عموماً پانچ فٹ سے بھی کم ہوتا ہی۔ کھوپری کی ناپ
۹ء۷۲ اور ناک کی ۹۸ ہی۔ رنگ عموماً بہت کالا ہوتا ہی[۵۹]
زبان جو کوڈن بولتے ہیں بگڑی ہوئی تامل ہی اور اس میں ملایالم
بھی ملی جلی ہی۔ اس سے معلوم ہوتا ہی کہ ان کی اصلی زبان مٹ گئی۔
ابتدا میں یہ لوگ غذا جمع کیا کرتے تھے۔ بعد میں زراعت شروع
ہوئی مگر بظاہر یہ اسے کچھ زیادہ پسند نہیں کرتے۔ وہ چھوٹے چھوٹے
گانوءں میں پتوں کی بنی ہوئی دس بارہ جھونپڑیاں ہوتی ہیں بساتے ہیں
اور پھر انھیں چھوڑ کر چل دیتے ہیں جیسا اولین تہذیب کے غذا جمع کرنے
والے قبائل کا دستور ہی لیکن یہ ایک معنی خیز بات ہی کہ ان جھونپڑیوں
کو عورتیں بناتی ہیں جنھیں اپنی قابلیت کا احساس اور اس پر فخر ہی۔ اسی
طرح آگ جو بار بار نہیں جلائی جاتی بلکہ ایک دن روشن ہو کر بہت دن
تک جلتی رہتی ہی۔ اس کی دیکھ بھال بھی عورتیں ہی کرتی ہیں[۱۶۰] اس
سے ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ ان پر مادری تہذیب کی پہلی منزل کا
اثر پڑا تھا اس لیے کہ یہ بات قرین قیاس نہیں معلوم ہوتی کہ ایک جنگلی
قبیلے کی عورتیں بغیر بیرونی اثر کے یہ بنیادی فرائض انجام دیں۔ چاہے ہم
یہ بھی مان لیں کہ آگے چل کر اونچے طبقے کے زمینداروں مثلاً نائر وغیرہ
کے اثر سے ملابار کے جنگلی قبائل کی عادتیں بدل گئیں۔ کوڈن مردوں کی
معاشی جدوجہد اب بھی شکار اور جنگل سے غذا جمع کرنے تک محدود ہی۔
اس طرح کاڈر قبیلے کے لوگ محکمۂ جنگلات کے چھوٹے چھوٹے عہدہ داروں
کے دست نگر بن گئے ہیں جن کو ان جنگلیوں سے جو کسی زمانے میں
ہندستان کے اندر اور خوددار فرزند تھے عموماً کوئی ہمدردی نہیں ہوتی،

علاوہ الائچی، ساگودانہ اور موم کے کودن قبیلہ اولین تہذیب کے اور حاملوں کی طرح شہد کو بہت پسند کرتا ہے۔ تھرسٹن اور ویلسن اس طرف اشارہ کیا ہے کہ شہد حاصل کرنے کے لیے درخت پر چڑھنے کا ایک خاص طریقہ ہندستان کے کادر قبیلے اور بورنیو کے ڈائک قبیلے میں مشترک ہے[۱۵]۔ انڈونیشیا اور ملاکا کے اولین تہذیب کے حاملوں کی طرح کودن ابتدا میں بانس کے تپنے کے سوا اور کسی قسم کے برتنوں سے واقف نہیں تھے۔ اب جو مٹی کے تھوڑے بہت برتن ان کے پاس نظر آتے ہیں وہ تاجروں سے خریدے ہوئے ہوتے ہیں، ان کے اوزار اور ہتھیار ے دے کر کھودنے کی لکڑی، بانس کی چھوٹی کمان اور شعاعی ترتیب کے پردار تیر ہیں جو اولین تہذیب کے حامل خاص طور پر استعمال کرتے ہیں۔ آرائش کے لیے کودن مرد بانس کی خوشنما کنگھیاں بناتے ہیں جنھیں ان کی عورتیں شادی کے تحفوں کی حیثیت سے قابل قدر سمجھتی ہیں۔ ملاکا اور ائیٹا (جزائر فلپائن) کی سیانگ اور سنائے قوموں کی طرح یہ لوگ بھی کنگھیوں کو جادو ٹوٹے حفاظت کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ ان سب علاقوں میں جو ایک دوسرے سے اس قدر فاصلے پر واقع ہیں ان کنگھیوں کی ساخت میں حیرت انگیز مشابہت ہے[۱۶]۔ کان چھیدنے اور دانتوں کو ریتنے کا بھی ان میں رواج ہے۔ کودن انیسویں صدی کے آخر تک سوا صاف ستھرے اور ٹھنڈے پھول پتوں کے اور کوئی لباس نہیں پہنتے تھے اور اسی وضع میں استوائی علاقے کی آب و ہوا کے خطروں کو برداشت کرتے تھے۔ اب جب کہ ہندوؤں اور یورپیوں دونوں کے اثر سے انھوں نے بہت سے کپڑے لا دنے شروع

کر دیے ہیں نہ صرف ان کی صحت اور بیماری، گرمی، سردی برداشت کرنے کی قوت برباد ہو گئی بلکہ ان کا اخلاق بھی بگڑ گیا۔ ایک مرتبہ میں ایک اور جنگلی قبیلے کے ایک شخص سے آج کل کے نوجوانوں کے اخلاقی انحطاط کے بارے میں گفتگو کر رہا تھا۔ اس نے کہا ہاں یہی بات ہے۔ جب سے ہمیں یہ معلوم ہوا کہ ہمارے کپڑے بُرے اور اخلاق کو بگاڑنے والے ہیں۔ ہمارے دل میں اپنے پُرانے قاعدے قانون کی عزّت بھی نہیں رہی اور ہمارے نوجوان بجائے اس کے کہ جنگل میں جا کر جڑیں، پھل، پتّے اور شہد جمع کریں۔ جھوٹ بولنے، چوری کرنے، بھیک مانگنے اور بے کار وقت ضائع کرنے لگے۔ "انسانی ہمدردی کے علمبردار" جو جنگلی قبیلوں کو کپڑے بانٹتے ہیں اور معصوم بچّوں کو زبردستی کپڑے پہناتے ہیں بڑے بڑے کارخانوں کا منافع تو ضرور بڑھاتے ہیں لیکن تھوڑے دن میں یہ دیکھ کر بہت خوش ہوں گے کہ ان کے دوست "جنگل کے وحشی" اس دنیا سے رخصت ہو کر بہشت میں پہنچ گئے۔

کادر قوم کا پالتو جانور صرف کتا ہے جو جنگل کے سنسان راستوں میں ان کے ساتھ رہتا ہے۔

اس قوم کی معاشرت میں متضاد بیرونی اثرات نظر آتے ہیں۔ ترکہ بیٹوں اور بھانجوں دونوں کو مل سکتا ہے[۴۹] پہلا دستور پدری تہذیب کا اور دوسرا مادری تہذیب کا ہے جو حال میں ملابار کی ترقی یافتہ مادری قوموں کے سابقے کی بدولت رائج ہو گیا ہے اس لیے کادر قوم کی پُرانی اولین تہذیب کا جُز نہیں سمجھا جا سکتا۔ یہی صورت اس رسم کی

ہو کر لڑکیاں ماہواری کے زمانے میں اور عورتیں زچگی کی حالت میں الگ جھونپڑیوں میں رکھی جاتی ہیں۔ باپ کے رشتے کے عزیزوں یعنی چچیرے بھائی، بہنوں وغیرہ سے شادی کی ممانعت پدری تہذیب کے اثر کا اور "مینارکم" کا طریقہ یعنی ماموں کی لڑکی سے شادی کا رواج مادری تہذیب کے اثر کا پتہ دیتا ہے۔ شادی کا طریقہ، دُلھن کا دُولھا کے باپ کے گھر رہنا طلاق کی آسانی یہ سب چیزیں ظاہر کرتی ہیں کہ اس معاشرت پر جو ابتدا میں مادری تھی۔ پدری معاشرت کا اثر پڑا ہے۔۵۵ بہ خلاف اس کے باپ کا خاندان میں اور ماموں کا جرگے میں نمایاں حیثیت رکھنا یہ بتاتا ہے کہ ابتدا میں پدری نظام رائج تھا اور بعد میں اس پر مادری نظام کا اثر پڑا۔ بیوہ کی شادی کی ممانعت یقیناً برہمنوں کا اثر ہے لیکن یہ رسم کہ شادی کے وقت اور عزیزوں کے ساتھ ماموں کو بھی تحفے دیے جاتے ہیں، ظاہر کرتا ہے کہ عہد متاخر میں مادری معاشرت رکھنے والے اونچے طبقے کے لوگوں مثلاً نائر وغیرہ کا اثر پڑا ہے۔

کادر قبیلے کے مذہب میں بھی متضاد خصوصیات نظر آتی ہیں۔ اَن دیکھے خدا کے عقیدے کے ساتھ ساتھ جو آج کل اَن دیکھے دیوتاؤں کا عقیدہ بن گیا ہے مگر پھر بھی اولین تہذیب کے عقیدۂ توحید سے کچھ مشابہت رکھتا ہے پتھر کی مورتوں اور خبیث روحوں کی پرستش بھی ہوتی ہے۔ ان میں سے ایک روح ایسی ہے جس کا تصور یقیناً کسی اعلیٰ تہذیب سے آیا ہے اس لیے کہ وہ چور کے پیٹ میں درد پیدا کر دیتی ہے اور ہم یہ کہہ چکے ہیں کہ چوری کی "وحشی" قوموں کو ہوا بھی نہیں لگی تھی اور یہ برکت انھوں نے "ترقی یافتہ" قوموں کے سابقے سے حاصل کی ہے۔ اس کے

علاوہ کھڑے پتھروں آڑے پتھروں کے گھیرے وغیرہ جن کا ذکر ل۔ک
اننت کرشن آئر نے کیا ہے [۱] پیر کے دن کی مذہبی اہمیت اور خصوصاً ہندو
دیوی کالی کی پرستش بیرونی اثرات کا پتہ دیتی ہے۔ لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ
کالی کے روپ میں کوئی پرانی دیوی ماتا کادریوں کے مذہب میں چلی
آرہی ہو جیسا کہ ہم ملابار کی اکثر ترقی یافتہ مادری تہذیب کی حامل ذاتوں
میں دیکھتے ہیں۔ ہندویت ایک معاشرتی اور مذہبی نظام ہے اس لیے
یہ قدرتی بات ہے کہ اس کا جو اثر غیر ہندو جنگلی قبائل پر پڑ رہا ہے وہ
مذہبی ہے۔

کادر قوم کی تہذیب کو ہم جنوبی ہند کے کل "مالی" قبائل کا شالی
نمونہ سمجھ سکتے ہیں۔ جس طرح ملاباری قبائل نے اپنے پڑوس کی ترقی
یافتہ مادری تہذیب سے مادری عناصر اخذ کیے ہیں اسی طرح ٹوٹمی
تہذیب کے ملاتے ہیں بھی بعض اولین تہذیب کے حامل ابتدائی
قبائل ہیں جنھوں نے ٹوٹمی عناصر لے لیے ہیں۔ مادری تہذیب اور
ٹوٹمی تہذیب دونوں کے علاقوں میں ہندو برہمنی تہذیب کا اثر بہت گہرا
ہے لیکن بدقسمتی سے یہ جنگلی قبائل ہندویت کی صرف وہی چیزیں قبول
کرتے ہیں جو ان کے لیے کچھ زیادہ مفید نہیں۔ وہ اس عظیم الشان
تہذیبی نظام کے فلسفے، آرٹ اور دوسری برکات سے محروم رہتے
ہیں اور اپنی آزادی کو کھو کر اچھوتوں کی سطح پر پہنچ جاتے ہیں۔

یہی انجام پیریا اور اسی سلسلے کے دوسرے قبائل کا ہوا۔ وہ ہندو
تہذیب کا رنگ اختیار کرنے اور غلامی کا جوا اٹھانے سے پہلے یقیناً
تہذیب کے ایک بلند درجے پر پہنچ چکے ہوں گے۔ غالباً وہ ایک دیہاتی

نظام معیشت رکھتے تھے جو مادری تہذیب کی دوسری منزل کے مطابق تھا۔ اس کا پتہ ایک توان کی موجودہ تہذیبی خصوصیات سے چلتا ہے جو ہم اختصار کے ساتھ یہاں بیان کریں گے دوسرے اس تہذیبی حیثیت سے جو وسط ہند کے ٹوٹمی قبائل کو حاصل ہے اور اس تعلق سے جو وہ جنوب مغرب کے مادری تہذیبی حلقے سے رکھتے ہیں۔ اس کا ذکر ہم آگے چل کر کریں گے۔

ہریا جسے تلنگی میں "مالا" اور کنڑی میں "ہولیا" کہتے ہیں۔ پست ذاتوں میں سب سے کثیر التعداد ذات ہے اور جو ذلتیں ذات پات کے نظام نے ایجاد کی ہیں سب سے زیادہ اسی کے حصے میں آئی ہیں۔ سوئینریٹ نے اٹھارھویں صدی عیسوی کے آخر میں لکھا ہے کہ جب یہ لوگ چاروں ذاتوں میں سے کسی ذات کے ہندو سے باتیں کرتے ہیں تو انھیں مُنہ کے آگے ہاتھ رکھنا پڑتا ہے تاکہ سننے والے کو چھوت نہ لگ جائے اور جب اسے سڑک پر آتے دیکھتے ہیں تو اس کے لیے راستہ چھوڑ دیتے ہیں۔ ذات والوں کو جب پریا مزدوروں سے کام لینا ہوتا ہے تو ان کے گھر کا الگ دروازہ بنایا جاتا ہے اور ان کے لیے جداگانہ کنوئیں ہیں جن سے وہ پانی بھرتے ہیں۔ ان ذلتوں میں سے بعض انھیں آج تک سہنی پڑتی ہیں خواہ وہ عیسائی کیوں نہ ہو جائیں۔ البتہ مسلمان ہونے کے بعد انھیں ان ذلتوں کا سامنا شاذ و نادر ہی کرنا پڑتا ہے[۵۲]

نسل کے اعتبار سے پریا ایک نہیں ہیں بلکہ ان میں مختلف نسلیں پائی جاتی ہیں۔ اس کی ایک وجہ تو اختلاط نسل ہے اور دوسری وجہ غالباً

یہ ہے کہ دوسرے قبائل بھی ان کے حلقے میں داخل ہو گئے ہیں۔ دکن کے اکثر پریا جنوبی انڈی اور کرناٹک کے جنوبی میلانی نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔ بعض علاقوں میں وڈی نسل کا اثر بھی کم و بیش نظر آتا ہے۔ ان لوگوں کی کوئی خاص زبان یا کوئی خاص وطن نہیں ہے۔ جس علاقے میں رہتے ہوں اسی کی زبان بولتے ہیں۔ اگرچہ آج ان کی تعداد جو بیس لاکھ سے اوپر ہے (علاوہ ان ہزاروں آدمیوں کے جو عیسائی ہو گئے ہیں) سارے ملک میں زرعی غلاموں کی حیثیت سے پھیلی ہوئی ہے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جنوبی ہند کی پلیا ذات اور دوسری پست ذاتوں کی طرح یہ بھی قبل آریائی عہد میں آزاد کسان ہوں بلکہ برہمنوں کی طرح اونچی ذات یا حکمراں طبقے سے تعلق رکھتے ہوں گے۔ یہ فرضیہ صرف پریاؤں کی روایات پر مبنی نہیں ہے بلکہ ان کی کثرتِ تعداد، ان کے موجودہ آقاؤں (ملابار کے مادری تہذیب سے تعلق رکھنے والے نائروں اور پدری تہذیب سے تعلق رکھنے والے برہمنوں) کی روایات، ان کا گانو اور کھیتوں کی حدود وغیرہ سے زیادہ واقف ہونا اور اس قسم کے جھگڑوں میں گواہ کے طور پر پیش کیا جانا[۵۳] اور سب سے بڑھ کر ان کے بعض مذہبی اور معاشرتی حقوق جو انھیں ہندو برہمنی سماج نے ہرگز نہیں دیے ہوں گے[۵۴] یہ سب چیزیں اس فرضیے کی تائید کرتی ہیں کہ کسی زمانے میں پریا جنوبی ہند میں اچھی حیثیت کے کاشتکار ہوں گے۔ ہیلکوٹا کا آئنگر مندر[۵۵] تروولور (ضلع تنجور) کا شیو کا تیوہار شری پر مبدور کی دیوی کی پرستش کا خاص طریقہ (یعنی اس کی شادی سال میں ایک بار کسی پریا سے ہونا) یہ سب اسی کی مثالیں ہیں[۵۶] دسویں صدی عیسوی میں پریا

شاعر ترووولووَر اور اس کی "بہن" آوای نے ہندستان کے اور دنیا کے ادب میں قابلِ قدر اضافہ کیا اور دونوں کی بڑی عزت ہوتی تھی۔ پریاؤں کے پجاری وَلوون پلّو راجاؤں کے دربار میں برہمنوں کے آنے کے بعد بھی پروہت کا کام کرتے تھے جیسا کہ ھ۔ اِر۔ اسٹوارٹ نے ہندستان کی مردم شماری کی رپورٹ بابت ۱۸۹۱ء میں لکھا ہے۔

نہ صرف پریاؤں کی قدیم معاشرتی اور سیاسی حیثیت بلکہ ان کے مذہب اور معاشرت کے نظام سے بھی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ایک دیہاتی تہذیب سے تعلق رکھتے تھے جو مادری تہذیب کی دوسری منزل میں تھی بلکہ شاید اس سے بھی آگے بڑھی ہوئی تھی جس کا نمونہ اب پُلیا ذات اور اسی قسم کی دوسری ذاتیں پیش کرتی ہیں۔

مالابار کی پریا قوم میں ترکہ ماں سے بیٹی کو پہنچتا ہے۔ یوں تو ہم اسے پریاؤں کے موجودہ آقا نائر اور دوسری اونچی ذات والوں کا اثر قرار دے سکتے ہیں لیکن پریاؤں کے معاشرتی نظام میں مادری تہذیب کے اور بھی بہت سے پُرانے عناصر موجود ہیں جن پر حال میں پدری تہذیب کی تہ جم گئی ہے مثلاً عورت کے جب پہلی بار بچہ ہونے والا ہو تو وہ ماں کے گھر آکر رہتی ہے حالانکہ یوں وہ شادی کے بعد شوہر کے گھر پر رہا کرتی ہے۔ اس کے علاوہ ڈوطھا کا مہر کے طور پر خدمت انجام دینا اور رسموں میں ماں اور ماموں کی اہمیت یہ ظاہر کرتی ہے کہ جنوبی ہند کے پریا ایک مادری دیہاتی تہذیب رکھتے ہوں گے اس سے بہت پہلے جب نائر اپنی اعلیٰ درجے کی ترقی یافتہ شہری مادری تہذیب یا برہمن ہندو پدری تہذیب لے کر آئے۔ دہری شادی اور شہ بالا کا ڈوطھا کے

حقوق میں شریک ہونا جو ایک عورت کے کئی مردوں سے شادی کرنے کی یادگار ہے۔ اس فرضیے کو اور تقویت پہنچاتا ہے۔ یہی صورت لڑکیوں کی بلوغ کی رسموں کی ہے جو مادری تہذیب کی امتیازی خصوصیت ہیں۔ ان رسموں کو بالواسطہ ان قیود سے بھی تعلق ہے جو عورت پر بچہ ہونے کے بعد لگائی جاتی ہیں اور یہ بات قابلِ لحاظ ہے کہ زچہ کا شوہر بھی ایک حد تک ان قیود کا پابند ہوتا ہے۔ یہ بات اس مشہور "کواڈ" کی یاد دلاتی ہے جو مادری تہذیب کے پدری تہذیب میں منتقل ہونے کو ظاہر کرتا ہے۔[۵۷]

پریا اور اسی قسم کی دوسری ذاتوں کے مذہب میں بھی بہت سی ایسی باتیں نظر آتی ہیں جس سے ان لوگوں کا تعلق مادری تہذیب خصوصاً اس کی دوسری منزل سے ثابت ہوتا ہے۔ بہت سے دراوڑی بولنے والے ہندوؤں کی طرح جو اب "نیچ" ذاتوں میں شمار ہوتے ہیں پریا بھی تھرسٹن کے قول کے مطابق سورج دیوتا اور ایک بڑی دیوی اما کو مانتے ہیں[۵۸] جس کو ان کے مذہب میں مرکزی حیثیت حاصل ہے

---

۵۷ "کواڈ" اس رسم کو کہتے ہیں کہ جب کسی عورت کے بچہ ہوتا ہے تو اس کا شوہر ایسا طرز اختیار کرتا ہے کہ گویا بچہ اس کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے۔ وہ بیمار بن کر بستر پر لیٹ جاتا ہے لوگ اس کی تیمارداری کرتے ہیں، اسے اچھے اچھے کھانے کھلاتے ہیں اور کئی روز کوئی بھاری کام نہیں کرنے دیتے۔ کبھی کبھی اُسے زخمی کر دیتے ہیں اور طرح طرح کی تکلیفیں دیتے ہیں۔ رہی زچہ سو اسے کوئی نہیں پوچھتا اور ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے اُسے کوئی غیر معمولی بات نہیں پیش آئی۔ "کواڈ" کا مقصد صریحی طور پر یہ ہے کہ بناوٹی زچگی کی تکلیفیں اٹھا کر باپ بھی بچے پر اپنا حق قائم کرے۔ اس کی مصلحت اس وقت سمجھ میں آتی ہے جب اس بات کو پیش نظر رکھیں کہ بعض مادری تہذیبوں میں بچے پر صرف ماں کو اختیار ہوتا تھا باپ کو بالکل نہیں ہوتا تھا۔ "کواڈ" کی رسم بڑے پیمانے پر سب سے پہلے شمالی اسپین اور جنوبی فرانس میں باسک قوم میں دیکھی گئی اس لیے اس طرز معاشرت کا فرانسیسی میں جو نام رکھا گیا تھا اس کا اطلاق دوسری غیر فرانسیسی قوموں پر بھی ہونے لگا "کواڈ" کی رسم میں بعض اوقات زچہ کے شوہر کو فاقہ کرنا اور معمولی غذا سے پرہیز کرنا پڑتا ہے۔

لیکن عملی زندگی میں تین قسم کی دیویوں کا زور ہے:-

(الف) اَمّا دیویاں جن کی پرستش سارا قبیلہ سات پتھروں کی شکل میں کرتا ہے اور یہ پتھر درخت کے نیچے اس طریقے سے رکھے جاتے ہیں جس میں میگالیتھی اثر کی جھلک نظر آتی ہے۔

(ب) "گرام دیوتا" یعنی الگ الگ دیویاں پریاؤں اور ہندوؤں کی ایک ہی ہوتی ہیں۔ یہ ایک ہی روح کے مختلف اوتار نہیں بلکہ جداگانہ روحانی ہستیاں سمجھی جاتی ہیں۔

(ج) مرتیل اور گنگ اَمّل متعدی امراض خصوصاً ہیضے اور چیچک کی دیویاں ہیں اور پریاؤں کا تہذیبی تعلق آسام کے کھاسیوں سے ظاہر کرتی ہیں۔ ان کے علاوہ بھوت پریت "پائی" اور "لپ سو" کا عقیدہ بھی عام ہے۔ جادو ٹونے کے عمل ان کے ہاں اس قدر پیچیدہ ہیں کہ ہم انھیں اصلی ابتدائی قوم نہیں سمجھ سکتے اس لیے کہ اولین تہذیب کے حاملوں کا مذہب تو بالکل سادہ تھا۔ پانی برسانے کے منتر اور بزرگوں کی پرستش یہ دونوں چیزیں پریاؤں میں عام ہیں اور ان سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کی مادری تہذیب کی دوسری منزل اب تک باقی ہے اس لیے کہ یہ چیزیں وہیں سے نکلی تھیں۔ یہی صورت مردوں کو جلانے کے بجائے دفن کرنے اور بیٹے کی جگہ بھتیجے کو سوگوار بنانے کی رسموں کی ہے۔[۵۹]

ٹوٹمی تہذیب کا اثر پریاؤں میں مطلق نہیں پایا جاتا۔[۶۰] اس بات کو ہندستان کی ٹوٹمی اور مادری تہذیبوں کا زمانہ معین کرتے وقت پیش نظر رکھنا چاہیے۔ یہ مسئلہ نہ صرف تاریخی بلکہ عمرانی اہمیت بھی رکھتا ہے اس لیے کہ ذات پات کے نظام میں ٹوٹمی تہذیب کو بھی بہت کچھ دخل تھا۔[۶۱]

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ ان قبائل نے جو اولین تہذیب یا مادری تہذیب کی پہلی منزل سے تعلق رکھتے تھے اپنی تہذیبی خصوصیات کو اب تک باقی رکھا ہے لیکن مادری تہذیب کی دوسری منزل والے لوگ ہندو تہذیب کے ذات پات کے نظام میں شامل ہو کر اپنی حیثیت کھو بیٹھے اور زرعی غلام بن کر رہ گئے۔ یہ چیز بہت اہم ہے اور ہندستان کے سماجی نظام اور ایک حد تک معاشی نظام کی بنیاد اسی پر قائم ہے۔ پریا اور اسی قسم کی دوسری ذاتوں نے (جو مادری تہذیب کی دوسری منزل سے تعلق رکھتی تھیں) سب سے پہلے کاشت کاری میں مہارت حاصل کی تھی۔ ان میں اور نائر وغیرہ میں فرق کرنا چاہیے جو مادری تہذیب کی تیسری یعنی شہری منزل سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ زمینداروں، سرداروں اور ذہنی کام کرنے والوں کا طبقہ ہے اور خود کاشت کاری نہیں کرتا۔

ان کے علاوہ ایک اور اہم تہذیبی حلقہ دکن اور وسط ہند کے ٹوٹمی قبائل کا ہے۔ ان کی حالت بھی وہی ہوگی جو پریاؤں کی ہندو تہذیب کا اثر قبول کرنے سے پہلے تھی۔ لیکن ٹوٹمی قبائل نے اسی تہذیب کو ہندو برہمنی تہذیب کے داخل ہونے کے بعد سے اب تک یا کم سے کم کچھ دن پہلے تک قائم رکھا۔ یہ ایک دلچسپ بات ہے جس کی مختلف وجوہ بیان کی جا سکتی ہیں۔ ٹوٹمی قبائل اصل میں شکاری تھے اور زراعت سے بہت کم مس رکھتے تھے اس لیے وہ پہاڑی جنگلی علاقے میں آباد تھے۔ جہاں تک پہنچنے میں ہندوؤں کو دیر لگی اس لیے کہ وہ ملابار کی میدانوں یا گنگا کی وادی کو زیادہ پسند کرتے تھے۔ شکاری ٹوٹمی قبیلوں میں گانو میں رہنے والے صلح پسند مادری قبیلوں کے مقابلے میں لڑنے بھڑنے

کا مادہ زیادہ تھا۔ لیکن سب سے بڑی وجہ مادری کسانوں کے پہلے غلام بنائے جانے کی یہ ہے کہ وہ زراعت کے کام کے لیے زیادہ مفید تھے۔ ٹوٹمی شکاری اس کام کے لیے نہیں تھے اس لیے نہیں چھیڑا گیا۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ جیسا کہ انسانی تاریخ میں اکثر ہوتا ہے ان لوگوں کی محنت اور قابلیت ان کے حق میں مصیبت ہو گئی۔

ٹوٹمی قبائل میں گونڈوں نے سب سے زیادہ اپنی تہذیبی خصوصیات کو قائم رکھا ہے۔ یہ ایک بڑی قوم ہے جو کئی شاخوں میں منقسم ہے مثلاً پہاڑی مڑیا گونڈ، ارنا بھینسے کے سینگ والے گونڈ وغیرہ ان سب بے تعصب مشاہدہ کرنے والوں نے ان کی صحت اور خوبصورتی، طبیعت کی تیزی، عورتوں کی قدر و عزت اور آزادی ان کے گھروں کے صاف ستھرے ہونے کی تعریف کی ہے۔ ان کا اصلی لباس سادہ اور معین صحت تھا اور اس سے عورتوں اور مردوں دونوں کا جسم کمر سے اوپر کھلا رہتا تھا۔ عورتیں اپنے بالوں کو تازے پھولوں سے سجاتی ہیں خصوصاً ناچ کے موقع پر جس میں انھیں کمال حاصل ہے۔

یہ قوم مختلف قبیلوں میں تقسیم ہے اور ایک قبیلے میں آپس میں شادی بیاہ نہیں ہوتا۔ ان قبیلوں کے نام ٹوٹمی طریقے پر مختلف جانوروں کے نام پر ہیں اور سلسلۂ نسب باپ کی طرف سے شمار ہوتا ہے۔ ہر شخص اپنے باپ کے قبیلے اور اس کی برادری کے دوسرے قبیلوں کے باہر شادی کرتا ہے۔ لڑکی شادی کے بعد اپنے قبیلے کو چھوڑ کر شوہر کے قبیلے میں شامل ہو جاتی ہے۔ قبیلے کے ٹوٹم جانور سے کام لینے پر جو قیود ہوتی ہیں ان کی وہ دونوں قبیلوں کے لحاظ سے پابندی کرتی ہے۔

"کنواروں کا ہال" جو ایک مخصوص ٹوٹمی چیز ہے اور ملائیشیا اور کہیں کہیں افریقہ میں بھی دیکھنے میں آتا ہے گونڈوں کے ہاں بھی پایا جاتا ہے۔[۶۳] یہاں لڑکوں اور نوجوانوں کو، عمر کے لحاظ سے ان کی مختلف جماعتیں بنا کر، تعلیم دی جاتی ہے۔ سب کنوارے اسی ہال میں سوتے ہیں۔ لڑکیاں ناچ کے جلسوں اور جنسی اور خاندانی زندگی کی رسموں میں اکثر بلائی جاتی ہیں۔ اکثر نوجوان مرد، عورت جو آگے چل کر میاں بیوی بننے والے ہیں یہاں ملتے جلتے اور آپس میں محبت کے پینگ بڑھاتے ہیں مگر اس عمر میں جنسی تعلقات کے لیے شادی کا ہونا لازمی نہیں۔ یہاں ہم اس "امتحانی شادی" کا نمونہ دیکھتے ہیں جو جج لینڈسے نے تجویز کی تھی اور جس پر امریکا میں ایک ہنگامہ برپا ہو گیا تھا۔ شادی کی کتنی شکلیں ہیں ایک یہ کہ دولھا دلھن کو زبردستی پکڑ کر لے جاتا ہے دوسرے یہ کہ باہمی رضامندی سے بغیر والدین کی مرضی کے شادی ہو جاتی ہے۔ یہ دونوں صورتیں جائز ہیں لیکن ان کا کوئی جشن نہیں منایا جاتا۔ البتہ جب دولھا کے خاندان کی طرف سے باضابطہ پیام آکر شادی ہو تو بڑی دھوم دھام سے ہوتی ہے۔ ایک خاص طور پر دلچسپ شکل یہ ہے کہ لڑکی اپنے لیے ایک دولھا پسند کرتی ہے اور اس کے ساتھ آکر رہنے لگتی ہے۔ اکثر اس کے والدین کی اور کبھی کبھی اس کی مرضی کے خلاف۔ اس کی زندگی بڑی کٹھن ہوتی ہے لیکن اگر وہ سب سختیوں کو صبر سے جھیلے تو ایک دن اسے کامیابی ہوتی ہے اور اس کی شادی باضابطہ طور پر مان لی جاتی ہے۔ یہ اور اسی کے ساتھ دولھا کا مہر کے طور پر خدمت کرنا یہ ظاہر کرتا ہے کہ مادری تہذیب کی رسموں پر پدری تہذیب کا رنگ چڑھا دیا گیا ہے۔ لیکن یہ عمل ہندوؤں (یعنی آریائی زبانیں بولنے

والوں کے حملے سے بہت پہلے واقع ہو چکا تھا۔ گونڈوں وغیرہ نے پدری معاشرت اس وقت اختیار کی جب ٹوٹمی تہذیب نے ملک کے وسطی حصوں پر حملہ کیا اور یہ بات معنی خیز ہے کہ ان ٹوٹمی قبائل میں سے اکثر میں اسی طرح قدیم مادری تہذیب کے بچے کھچے آثار نظر آتے ہیں اور یہ آثار محض شادی کی رسموں ہی تک محدود نہیں ہیں۔ ماموں کی اہمیت لڑکیوں کی پہلی ماہواری کی رسمیں (خصوصاً ٹوٹمی علاقے کے مشرقی حصے میں) وہ رسمیں جو دولہا کے دلہن کے گھر رہنے اور ایک عورت کے کئی مردوں سے شادی کرنے کی یادگار کے طور پر باقی رہ گئی ہیں، دھرتی ماتا اور گانو کی دیوی ماتاؤں کی پرستش ان کی اہم مثالیں ہیں۔ ان سب صورتوں میں مادری تہذیب کے عناصر صاف نظر آتے ہیں مگر ان کی شکل اور مقصد بدل گیا ہے۔ اس لحاظ سے ذیل کے قبیلے خاص طور پر قابل ذکر ہیں:۔

بیرٹیا، ہالبا، گونڈ، کیکری، کوار، مانگ، مرہٹے (جن کی یہ رسم کہ پہلا بچہ ہونے کے وقت دلہن اپنے میکے چلی جاتی ہے اس کا پتہ دیتی ہے کہ ابتدا میں دولہا دلہن کے گھر جا کر رہا کرتا ہوگا) راجھڑ، اوراؤں، سنتھال، لودھی، پاردھی وغیرہ۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہندستان کے وسطی حصے میں ٹوٹمی اور پدری معاشرت رکھنے والے شکاریوں کے حملے سے پہلے ایک مادری دیہاتی تہذیب موجود تھی۔ اس فرضیے کی تائید جنوبی ہند کے ٹوٹمی اور مادری قبائل کے جغرافی مقامات سے ہوتی ہے مادری قبائل میں پست قبائل کو بھی شامل کرنا چاہیے اس لیے کہ وہ ایک کرنوں کی قوم کی اولاد ہیں جو مادری تہذیب کی دوسری منزل سے تعلق رکھتی

تھی۔ ان کا مرکز مغربی گھاٹ کے پچھم میں ملابار کا علاقہ ہے۔ لیکن جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں مادری تہذیب کے عناصر وسط ہند کے ٹوٹمی علاقے میں بھی پھیلے ہوئے ہیں۔ اس کے بعد ہندستان کے مشرقی حصے یعنی آسام میں کھاسی اور گارو کا گھر ہے جو واضح طور پر مادری تہذیب کے حامل ہیں۔ خود یہ نقشہ ظاہر کرتا ہے کہ پہلے سارے ہندستان میں مادری دیہاتی تہذیب کے حامل رہتے تھے اور ٹوٹمی اثرات اور ٹوٹمی قبائل بعد میں پہنچے۔ یہ بات قابل غور ہے کہ مغربی گھاٹ کی دیوار سے آگے ملابار کے محفوظ علاقے میں ٹوٹمی تہذیب کا مطلق کوئی اثر نہیں پایا اور اس سے اس خیال کو تقویت پہنچتی ہے کہ مادری تہذیب کی دوسری منزل کے مقابلے میں ٹوٹمی تہذیب ہندستان میں بہت بعد میں آئی۔ یہ فرضیہ ہندستان کی تاریخ تمدن کی نشوونما اور اس کی تعبیر کے لیے بڑی اہمیت رکھتا ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ دنیا کے دوسرے حصوں میں بھی مادری تہذیب ٹوٹمی تہذیب، پدری تنظیم اور شکاری معیشت سے زیادہ پرانی ہے لیکن جہاں تک ہندستان کا تعلق ہے ہم کسی قدر وثوق سے یہ فرض کر سکتے ہیں کہ سب سے پہلے باشندے اولین تہذیب کے حامل تھے جس میں کچھ جھلک مادری تہذیب کی پہلی منزل کی بھی تھی۔ اس کے بعد سارے جنوبی، مشرقی اور غالباً شمالی ہند میں کسانوں کی ایک قوم رہتی تھی جو مادری تہذیب کی دوسری منزل سے تعلق رکھتی تھی اور اس کی اولاد ذات پات کے نظام کے پنجے میں گرفتار ہو کر اب تک زرعی غلاموں اور "پست قوموں" کی شکل میں باقی ہے۔ لیکن ان لوگوں کے ہندو معاشرتی نظام قبول کرنے سے پہلے ٹوٹمی شکاریوں اور ابتدائی قسم کے کسانوں نے وسط ہند پر

حملہ کیا ہوگا اور جنوبی ہند کے شمالی حصے کو مغربی گھاٹ تک فتح کر لیا ہوگا۔ اس واقع کے بعد عہد حجری میں باہر کی قوموں کا ہجرت کرکے ہندستان میں آنا بند ہو گیا۔ لیکن اس واقع کے اور وسط ایشیا کے آریائی زبانیں بولنے والے خانہ بدوش گلہ بانوں کے حملے کے درمیان ایک اور زبردست تہذیبی تحریک اٹھی جس نے ہندستانی تہذیب کا سارا چولا بدل دیا۔ یہ چیز جس کے وجود کا کچھ پہلے تک کسی کو علم نہیں تھا قبل آریائی ہندستان کی مادری شہری تہذیب ہے۔ ہم اس کی اہمیت (اور مہنجو دارو اور ہڑپا کی کھدائی) کا ذکر ہندستان کے آثار قدیمہ کے سلسلے میں کر چکے ہیں۔

اسی شاندار قبل آریائی تہذیب سے ہندستان کی جنگجو اور حکمراں قوموں کا تعلق ہے۔ تاریخ تمدن کے تقابل سے ثابت ہوا ہے کہ چھتری اور ان سے بھی زیادہ نائر، ہندستان کی قبل آریائی شہری تہذیب کے وارث ہیں جو مادری تہذیب کی تیسری منزل سے تعلق رکھتی تھی۔

ظاہر ہے کہ یہ نتائج کسی بلا واسطہ طریقے سے حاصل نہیں کیے گئے ہیں اس لیے کہ نہ تو بلا واسطہ تقابل سے اور نہ تاریخی دستاویزوں سے وادی سندھ کی تہذیب کی صحیح معاشرتی حیثیت کا پتہ چلتا ہے۔ لیکن بالواسطہ تہذیبی تقابل سے جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ ہندوؤں کے بہت سے اہم تہذیبی عناصر واقعی قبل آریائی تہذیب کی یادگار ہیں۔ ان میں سے حسب ذیل قابلِ ذکر ہیں :۔ دیوی ماتاؤں کی کثرت، عورتوں کا پجاری اور پروہت ہونا، درختوں کی پوجا، بزرگوں کی پوجا، (اور ان دونوں کے مخصوص مظاہر) مندروں کا نہ ہونا، مذہبی رسوم میں نہانے کی اہمیت، عمارت کا ایک خاص مستطیل طرز، زیور اور مٹی

اوّلین تہذیب، ٹوٹمی، مادری اور خانہ بدوش گلّہ بانوں کی تہذیب کی تقسیم

اوّلین تہذیب

ٹوٹمی تہذیب

مادری تہذیب
(دوسری منزل)

مادری شہری تہذیب
(ملابار میں بچے کھچے آثار)

وادی سندھ کی قبل تاریخی تہذیب
(جس کے آثار حال میں کھود کر نکالے گئے ہیں)

کے برتن، گھوڑے اور لوہے کے اوزاروں کا نہ ہونا وغیرہ وغیرہ۔
یہ چیزیں خاص طور پر نائر قوم میں اور ایک حد تک سارے ہندستان کے چھتریوں میں پائی جاتی ہیں۔ بُدھ مذہب کی تاریخ اور معاشرتی اہمیت بھی اس نظریے کی تائید کرتی ہے۔ بدھ مذہب کے ذریعے سے چھتریوں نے برہمنوں پر اپنا تفوق دوبارہ قائم کیا۔ خود گوتم بدھ کا چھتری ہونا، عورتوں اور مردوں کی مساوات، ذات پات کی تفریق مٹ جانا، بدھوں کے آرٹ اور مذہب کی بعض علامات (جن کا ذکر اوپر آیا ہے) اس فرضیے کو تقویت پہنچاتی ہیں کہ قبل آریائی تہذیب اور بدھ مذہب میں گہرا تعلق ہے۔ ان واقعات کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ بدھ مذہب ہندستان کی پُرانی قبل آریائی تہذیب کا احیا اور اسی کے ساتھ آریائی زبانیں بولنے والے خانہ بدوش گلہ بانوں کی پدری تہذیب کے خلاف ردعمل تھا۔
چھتریوں کے ادب العوام اور ان کی رسوم و روایات کا گہرا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے پُرانی تہذیب کی بہت سی چیزوں کو باقی رکھا، خصوصاً راجپوت اس معاملے میں پیش پیش تھے۔ میں نے "ہندستان میں مادری وراثت" کے نام سے ایک رسالہ لکھا ہے اور اس میں ان باتوں کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ یہاں ان واقعات اور دلائل کو دہرانے کا موقع نہیں۔ لیکن اتنا کہہ دینا ضروری ہے کہ ملابار کی نائر قوم میں بہت سی خصوصیات صاف نظر آتی ہیں جن سے (۱) وادی سندھ کی قدیم تہذیب (جو اب سے پانچ ہزار برس پہلے موجود تھی)، (۲) چھتریوں کے حکمراں اور جنگجو طبقے اور (۳) بدھوں کے آرٹ معاشرت اور عام تہذیب کا باہمی تعلق ثابت ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے نائر تہذیب

کو ہندستان کی اور سب قوموں کی تہذیب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ اس کا مطالعہ کرنے سے ہم وادی سندھ کی۔ قبل آریائی تہذیب کا، جس نے ہندستان کی موجودہ تہذیب کی بڑی حد تک تشکیل کی ہے، کم و بیش اندازہ کر سکتے ہیں۔ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ نائر قوم میں مہنجوداڑو کی قدیم شہری تہذیب آج تک زندہ ہے۔ ۹۴ھ

نائر قوم کی تہذیب واضح طور پر مادری تہذیب کی تیسری منزل سے تعلق رکھتی ہے۔ ہندستان کی معاشرت اور مذہب کی تشکیل میں پچھلے دو تین ہزار سال سے اس جنگ کو بڑی اہمیت حاصل جو عموماً مادری تہذیب اور خصوصاً عورتوں کی آزادی کے خلاف ہوئی ہے بچپن کی شادی، کئی بیویاں کرنے کا رواج، بیوہ کی تحقیر، یہ سب چیزیں اسی ذیل میں آجاتی ہیں۔ برہمنوں کی فوقیت، ذات پات کا نظام خصوصاً ان قوموں میں جو پہلے مادری تہذیب کی حامل تھیں۔ نیچ ذات کا، یا ذات باہر سمجھنا ان سب کا مقصد یہی ہے۔ یہ باتیں ہندستانی تہذیب سے مخصوص ہیں اور کسی اور ملک میں اس حد تک نہیں پائی جاتیں۔ ہندستان کے ان معاشرتی ضابطوں کا معمہ جس کے متعلق اکثر سوال کیا جاتا ہے آسانی سے حل ہو جائے گا اگر ہم اس زبردست جنگ کو پیش نظر رکھیں جو اس ملک میں مادری اور پدری نظام معاشرت کے درمیان ہوئی تھی۔

اس قسم کے اختلافات مردوں اور عورتوں کی فوقیت کے بارے میں دوسرے ملکوں میں بھی ہوئے ہوں گے جہاں خانہ بدوش گلہ بانوں نے مادری دیہاتی اور شہری تہذیب پر چڑھائی کی لیکن کہیں حملہ آوروں کو اتنے ترقی یافتہ تمدن کا مقابلہ نہیں کرنا پڑا جتنا وادی سندھ کا تمدن آریائی

زبانیں بولنے والے حملہ آوروں کے مقابلے میں ترقی یافتہ تھا۔
ہندستانی عورتوں کی آزادی اور مساوی حقوق کی قدیم روایات کو برباد کرنے میں بڑی دشواریاں پیش آئی ہوں گی۔ مادری تہذیب کو مٹانے کی کوشش کے خلاف بار بار ردعمل ہوتا رہا۔ بدھ مذہب کی تحریک کے علاوہ اس کی اور بھی مثالیں ہیں۔ جنوبی ہند میں لنگایت کی تحریک کبیر پنتھیوں اور سکھوں کی تحریک کا پہلا دور، ایک حد تک اسلامی معاشرت اور حال میں برہمو سماج یہ سب اسی ذیل میں آجاتی ہیں۔ لیکن ان سب اصلاحی تحریکوں کی سخت مخالفت ہوتی رہی جس کی وجہ سے عورتوں کی آزادی کی سب کوششیں ناکام رہیں بلکہ ان کی حیثیت اور بھی پست ہوگئی۔

اسی پہلو سے ہمیں اس کشمکش کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے جو ہندستان کی تمدنی تاریخ میں نظر آتی ہے اور اسی نقطۂ نظر سے ہمیں اس بات کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے کہ مادری تہذیب کی بچی کھچی نشانیوں مثلاً نائر قوم کی کیا اہمیت ہے اور ہندو برہمنی معاشرتی نظام میں پدری رجحانات پر اس قدر زور کیوں دیا گیا ہے۔ اسی نظام کی نقل مسلمان اور پارسی اور ایک حد تک عیسائی اور یہودی چند پشتیں ہندستان میں گزارنے کے بعد کرنے لگے۔

افسوس ہے کہ گنجائش کی کمی کی وجہ سے ہم اس کتاب میں تفصیل سے بیان نہیں کرسکتے کہ نائروں کے معاشرتی نظام کی کیا خصوصیات ہیں، اس کا وادی سندھ کی قدیم تہذیب اور راجپوتوں کی تہذیب سے کیا رشتہ ہے اور دوسرے ملکوں کی تہذیبوں مثلاً یونان کی منوئی تہذیب مصر کی

قبل ملو کی تہذیب، ایشیائے کوچک کی طوری تہذیب اور قدیم عراق عرب، جنوبی عرب اور مشرقی تہذیبوں سے کیا تعلق ہے۔ اس لیے ہم صرف اتنے ہی پر اکتفا کریں گے کہ ہم اس تہذیب میں جو مادری تہذیب کی تیسری منزل سے تعلق رکھتی، وہ کون سی چند خاص خاص باتیں ہیں جن کے لحاظ سے وہ مذکورہ بالا تہذیبوں سے مشابہت رکھتی ہے۔ تاہم جو کچھ ہم پہلے لکھ چکے ہیں اس سے اس مجمل بیان کو سمجھنے میں مدد ملے گی۔

نائر ملابار میں ایک دولت مند ذہین اور جنگجو قوم تھی۔ یہ لوگ مادری تہذیب کے حامل تھے اور زمینداری کا پیشہ کرتے تھے۔ ان کے بنگلے اور احاطے مستطیل طرز کے ہوتے تھے اور ان کا رخ چاروں طرف کی ہواؤں کے لحاظ سے معین ہوتا تھا۔ ان کے باغوں کا جنوب مشرقی گوشہ سانپوں کے نام پر وقف ہوتا تھا اور ناگ کوٹ کہلاتا تھا۔ ان کے اپنے کوئی مندر نہیں تھے بلکہ وہ مکان کے مقررہ کمروں میں اپنے بزرگوں کی پوجا کرتے تھے اور ان کے چھوٹے چھوٹے بت بنا لیتے تھے جیسے موہنجو دارو کی کھدائی میں نکلے ہیں۔ ان کے پرانے زیوروں اور مٹی کے برتنوں سے بھی موہنجو دارو سے تعلق ظاہر ہوتا ہے۔ وہ مویشی کثرت سے پالتے ہیں ان کی پرانی لڑائیوں میں ہاتھی سے بہت کام لیا جاتا تھا لیکن ان کی فوج میں گھوڑا نہیں ہوتا تھا۔

سب نائروں کے ہاں آج تک صفائی اور غسل پر بہت زور دیا جاتا ہے۔ اور ان کے خوبصورت مکانوں کے ساتھ تیرنے کے حوض بنے ہوئے ہیں۔ ان کا سلسلہ موہنجو دارو کی مشہور غسل گاہوں سے ملتا ہے جن سے مارشل کے نزدیک ہندوؤں کی روزانہ ندی میں اشنان کرنے کی مذہبی رسم ماخوذ ہے۔ نائروں کا آرٹ اور دستکاری اپنا جداگانہ طرز رکھتی

ہے اور بہت پُرانی تہذیبی روایات کا پتہ دیتی ہے جن میں ہندو اثر کو کوئی دخل نہیں تھا۔

نائروں کی معاشرتی تنظیم تھوڑے دن پہلے تک خالص مادری تھی یہاں تک کہ یورپین ، اور برہمن ، شمالی ہند کے لوگ اور غیر ملاباری مسلمان ملابار میں وارد ہوئے اور ان سب کے متحدہ اثر نے پُرانے نظام کو برباد کر دیا۔ پہلے مشترکہ خاندان کے خاص مادری نظام کی بدولت "توازی کنبے" وجود میں آئے تھے۔ خاندان کا سلسلۂ نسب کسی ننھیالی بزرگ سے ملایا جاتا تھا جس کی نواسیاں اور پر نواسیاں مشترک خاندانی جائداد کی حقیقی نگراں ہوتی تھیں۔ لیکن اکثر ان میں سب سے بوڑھی عورت کا بھائی ان کی طرف سے مشترکہ گھر بار کا منتظم بنا دیا جاتا تھا۔ لڑکیوں اور بہنوں کے شوہر اپنی بیویوں سے ملنے آتے تھے نگران کے گھر میں نہیں رہتے تھے۔ ایک زمانے میں ایک عورت کئی مردوں سے شادی کر سکتی تھی جیسا کہ تبت اور مادری تہذیب کے بعض اور مرکزوں میں اب تک ہوتا ہے۔ پہلے پرتگال اور دوسرے یورپی ملکوں کے سیاح، جنھیں یہ نہیں معلوم تھا کہ انسانوں کے عقیدوں اور رسموں میں کتنا اختلاف ہے ، غلط فہمی کی بنا پر اس دستور کو ایک قسم کی "شریفانہ اور قانونی بدکاری سمجھتے تھے"۔ لیکن اس تعصب کے باوجود ان سیاحوں نے لکھا کہ عموماً نائر خواتین کی یہ شادیاں کامیاب رہتی تھیں اور ان کے ذریعے سے کئی اشخاص ایک رشتۂ اتحاد میں منسلک ہو جاتے تھے۔ بلوغ کی رسمیں اور دُہری شادیاں ایک پیچیدہ نظام معاشرت سے تعلق رکھتی ہیں جو مادری تہذیب کی تیسری منزل سے مخصوص ہے۔ ان سب رسموں سے صاف ظاہر ہوتا

ہی کہ پہلے دُلھن اپنی ماں کے گھر رہتی ہوگی اور عورتوں کو مردوں پر فوقیت حاصل ہوگی اور اس کے علاوہ مادری تہذیب کی بہت سی اور ضمنی خصوصیات کا پتہ چلتا ہی جن کا مقابلہ مشرقِ قریب، مشرقی افریقہ اور جنوبی عرب سے کرنے سے اس نظریے کو تقویت پہنچتی ہی کہ یہ ملک ہندستان کی قبل آریائی شہری ریاستوں سے تہذیبی تعلقات رکھتے تھے۔

اس مقابلے کی تفصیلات ہندستان اور آس پاس کے ملکوں کے علم الاقوام کا ایک دلچسپ باب ہی لیکن ان کے اس مختصر کتاب میں بیان کرنے کا موقع نہیں خصوصاً اس لیے کہ میں اپنی دوسری کتابوں میں ان کا ذکر کر چکا ہوں۔ آج کل راجپوتوں، نائروں وغیرہ اور یونانیوں، جنوبی عربوں، مصریوں اور مشرقی افریقہ والوں کے علم الاقوام کے متعلق جو تحقیقات ہو رہی ہی اس سے مزید تفصیلات معلوم ہوں گی۔ ہم یہاں صرف دو مثالیں پیش کریں گے ان سے مذکورہ بالا نظریے کا ثبوت دینا مقصود نہیں بلکہ یہ دکھانا کہ یہ مقابلہ کس طرح کیا جاتا ہی۔

راجپوتوں خصوصاً پنوار قبیلے میں شادی کے موقع پر ایک نیم مزاحیہ گیت گایا جاتا ہی جس میں ماں بیٹی کو نصیحت کرتی ہی کہ وہ اپنے شوہر کو لاکر اپنے گھر رکھنے کی پوری کوشش کرے اور اگر کسی طرح کام نہ چلے تو زہر سے کام لے۔ ان کے ہاں برات میں گھوڑوں کی جگہ بیل استعمال کیے جاتے تھے۔ پرسرام اور جمادگنی کی پُرانی روایت کی رو سے راجپوتوں کے سورما پرسرام کا برہمن مورث ایک عورت رینو کا نامی کا شوہر تھا جو دروپدی کی طرح ایک سے زیادہ مردوں سے شادی کرنا چاہتی تھی۔ اگر ہم اس کا مقابلہ نائروں (اور بہت سے اور ہندستانی چھتریوں) کی روایات

سے کریں تو بار بار اس کی مثالیں نظر آتی ہیں کہ برہمنوں نے گندھرو عورتوں
سے شادیاں کیں جو انھیں حسن صورت اور تہذیب و شائستگی کے لحاظ سے
"دیوتاؤں کی بیٹیاں معلوم ہوتی تھیں"۔ اسی قسم کی روایت یونان کے مختلف
جزیروں کے ماہی گیروں کے ہاں موجود ہے اور ہیں نے ان میں اور بہت سی
باتیں دیکھیں جو یقیناً مادری تہذیب کی یادگار ہیں۔ یہی صورت مصر اور
جنوبی عرب کی ہے۔

ان تہذیبی تعلقات سے جن کا اوپر ذکر آیا ہے علم الاقوام کے ماہرین
کے علاوہ مورخ اور نفسیات اجتماعی کے ماہر بھی بہت سے اہم نتائج
نکال سکتے ہیں۔ قبل آریائی ہندستان (جس میں آریائی عہد کی تہذیب
نے نشو و نما پائی اور جس سے اس نے بہت کچھ اخذ کیا) مشرق قریب
کی قدیم تہذیب سے بہت گہرا تعلق رکھتا تھا اور یہی تہذیب اسلامی
تہذیب کی بنیاد تھی۔

ہندستان اور مشرق قریب کی تاریخ کے اس واقعے کو نظر میں رکھتے
ہوئے ہم یہ تصور کر سکتے ہیں کہ ان دونوں علاقوں کی تہذیب حقیقت
میں ایک تھی اور یہاں سے وہاں تک ایک واحد تہذیبی حلقہ جن سے
عراق عرب کی تہذیب فنیقی، مصری، منوئی یونانی، طوری تہذیبیں اور
وادی سندھ کی تہذیب نکلی۔ اسی وادی سندھ کی تہذیب کے مادری
معاشرتی، جمہوری اور مذہبی تصورات نے ہندستان میں بار بار زبردست
اصلاحی تحریکیں پیدا کیں مثلاً بدھ مذہب کی تحریک۔ ہندستان کی
تاریخ کا یہ پہلو ہمیں ان تہذیبی عناصر کے سمجھنے میں مدد دے گا جو
اصلی اسلامی اور اصلی ہندستانی تہذیب میں مشترک ہیں۔ ان دونوں کی

مکمل تحلیل اور بے لاگ مشاہدے سے ہمیں نہ صرف یہ علمی فائدہ ہوگا کہ
ہم ان مشترک عناصر کی ابتدا اور نشو و نما کی تاریخ سے واقف ہو جائیں گے
بلکہ کیا عجب، ہے عملی فائدہ بھی ہو کہ ہندستان کے ہندو اور مسلمان جن
کی تہذیب کی جڑ ایک ہی ہے آپس میں متحدہ ہو جائیں۔

ہندستان کی قبل آریائی اقوام کا یہ مختصر سا خاکہ ملک کی موجودہ تہذیب
کا پورا نقشہ پیش نہیں کرتا۔ جب سے آریائی زبانیں بولنے والے خانہ بدوش
گلہ بان ہندستان میں آئے (۲۰۰۰ اور ۱۵۰۰ ق۔م۔ کے درمیان) یہاں
کے اصلی باشندوں پر ہندو تہذیب کا رنگ چڑھنا شروع ہوا اور یہ عمل
اب تک جاری ہے۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ آریائی زبانیں اور ان کے ساتھ
ساتھ دیویوں اور دیوتاؤں کے آریائی نام برابر ہندستان میں پھیلائے
جاتے رہے۔ اسی طرح حملہ آوروں کا معاشرتی پدری نظام اور ان کا
مذہب بھی سارے ہندستان میں پھیلایا گیا۔ قبل آریائی قبائل کے
امرا اور شرفا (خواہ وہ دیسی ہوں یا خود بھی باہر کے آئے ہوئے ہوں)
چھتریوں کی ذات میں داخل کر لیے گئے اور وہ لوگ جنھوں نے بچپن
کی شادی کا دستور، بیواؤں کا بیاہ نہ کرنے، گوشت نہ کھانے کے اور
اسی قسم کے دوسرے اصول قبول کر لیے وہ برہمن بنا لیے گئے۔
"نیچ" ذاتوں یا قبیلوں کی عورتوں سے جائز یا ناجائز جنسی تعلقات
اس کثرت سے قائم ہوتے رہے کہ فاتح اور مفتوح نسل کے لحاظ سے
مخلوط ہو گئے۔ اسی طرح برہمنی ہندو سماج نے ہندستان کے مختلف حصوں
میں دیسی قوموں کے بہت سے مذہبی اور معاشرتی تصورات بھی اختیار
کر لیے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ وسط ہند کے تاجروں اور کاریگروں کے

طبقوں نے بہت سے ٹوٹمی خیالات اختیار کر لیے ہیں اور انھیں ذات پات کے نظام میں شامل کر لیا ہو اسی طرح ملابار میں بمنوتری برہمنوں نے کم اور دوسری پدری قوموں نے زیادہ مادری تہذیب کے تصورات قبول کر لیے ہیں۔

ان عناصر کی تحلیل جن میں عام ہندو تہذیب اور مقامی تہذیب کا میل ہو بہت ہی دلچسپ چیز ہو گی۔ ہمیں امید ہو کہ اس علمی تحقیقات کے ختم ہونے سے پہلے مقامی قبل آریائی تہذیبیں ہندو تہذیب میں جذب نہ ہو جائیں گی۔

ان میں نیلگری پہاڑ پر رہنے والی ٹوڈا قوم کی تہذیب نہایت دلچسپ ہو[66]۔ جسمانی خصوصیات کے لحاظ سے ٹوڈا قوم یقیناً شمال کی انڈی نسل سے اور ایک حد تک "مشرقی" نسل سے جو شمال مغربی ہندستان میں نظر آتی ہو، تعلق رکھتی ہو۔ بہ خلاف اس کے ان کی تہذیب ایک عجیب معجون مرکب ہو جس میں کچھ خصوصیات تو ایک نہایت قدیم بلکہ ابتدائی تہذیب کی پائی جاتی ہیں اور ان کا تعلق ملانیشی تہذیب سے ظاہر کرتی ہیں، کچھ خصوصیات ایک آریائی مویشی پالنے قوم کی ہیں اور کچھ ایک ترقی یافتہ مادری تہذیب کی جس میں تیسری منزل کی جھلک نظر آتی ہو۔ رچ کی رائے یہ ہو کہ ٹوڈا ایک ابتدائی قبیلہ تھا جو ۵۲۰۰ ق۔م کے لگ بھگ شمالی وادی سندھ میں رہا کرتا تھا جب وہاں مہنجو دارو کی تہذیب کا زور تھا۔ تقریباً اسی زمانے میں نائر کسی وجہ سے ملابار سے ہجرت کر کے وہاں پہنچے ہوں گے اور ممکن ہو کہ وہ ٹوڈا قبیلے کو حمالوں، چرواہوں یا زرعی غلاموں کی حیثیت سے ساتھ لائے ہوں۔ اس کے بعد ٹوڈا نیلگری پہاڑوں پر چلے گئے ہوں گے اور وہاں ان کی رسوم و روایات کچھ تو اپنی پرانی

ہوں گی اور کچھ وہ جو انھوں نے نائروں سے لیں۔

قدیم تہذیبوں کی ایک اور قسم آسام میں نظر آتی ہے۔ ہم کئی بار کھاسی اور گارو کا ذکر کر چکے ہیں۔ یہ خاص مادری قومیں ہیں جنھوں نے مشرقی سرحد کے ناگا قبائل اور وسط ہند اور دکن کے بعض اور قبائل کی طرح میگا لیتھی تہذیب کو اب تک قائم رکھا ہے۔ بعض شمال مشرقی قبائل میں عہد متاخر کی مادری تہذیب کے عناصر پائے جاتے ہیں جو صریحاً وادی سندھ کی تہذیب سے تعلق رکھتی ہے اور نیپال اور تبت کی سرحد کے قبائل میں ایسے عناصر اور بھی زیادہ نمایاں ہیں۔

جاٹ، بھاٹ، بنجاروں اور مختلف جپسی قبائل کو جن کی معاشرتی اور معاشی حیثیت کسی زمانے میں بہت بہتر تھی، اسی ذیل میں شمار کرنا چاہیے۔ ان کا تفصیلی ذکر کرنے کی یہاں گنجائش نہیں۔

ان سب علاقوں میں جہاں ہندو تہذیب کا رنگ چڑھانے کا عمل اب بھی جاری ہے۔ نئے لوگوں کا چھتریوں اور دوسری اونچی ذاتوں میں داخل کیا جانا بھی علم الاقوام کا ایک دلچسپ مسئلہ ہے۔

خلاصہ

ہندستان میں سب سے قدیم اولین تہذیب ہے۔ اس کے حامل جنھیں ہم نوع انسانی کے مورث اعلیٰ کہہ سکتے ہیں جنوب مغرب کی "مالی نسل" کی جنگلی قوموں کے لوگ ہیں۔ ان میں کچھ اثر مادری تہذیب کی پہلی منزل کا بھی نظر آتا ہے۔ ممکن ہے کہ مادری تہذیب اور ابتدائی زراعت کا آغاز ہندستان میں یا کسی قریبی ملک میں اب سے ہزارہا سال

پہلے ہوا ہو۔ جب مدراس کے قریب قدیم عہد حجری کے دستی تبر کی تہذیب
کا دور دورہ تھا۔

دوسری منزل کی مادری دیہاتی تہذیب بہ ظاہر ہندستان میں شمال
مشرق کی طرف سے آئی۔ آسام کی کھاسی اور گارو قومیں اور جنوب مغربی
ہند کے زراعتی مزدور قبائل (جو اب پست اقوام میں شامل ہیں) وسطی
عہد حجری میں حضرت عیسےٰ سے کوئی آٹھ دس ہزار برس پہلے ایک متحدہ
تہذیب کے حامل رہے ہوں گے۔

ٹوٹمی شکاری جو غالباً چقماق کی صنعت کے موجد تھے، ہندستان
میں مادری دیہاتی تہذیب کے حاملوں کے بعد پہنچے۔ اگرچہ آخرالذکر
تہذیب و تمدن میں ان سے زیادہ ترقی کر چکے تھے۔

مادری تہذیب کی تیسری منزل یعنی اعلیٰ درجے کی ترقی یافتہ
مادری شہری تہذیب سندھ میں ۳۰۰۰ ق۔م اور ۲۰۰۰ ق۔م کے
درمیان موجود تھی۔ آیا یہ تہذیب ہندستان میں پیدا ہوئی اور یہاں سے
مغرب کی طرف پھیلی یا عراق عرب سے ہندستان میں آئی اس کا فیصلہ
ابھی نہیں کیا جا سکتا۔

وسط ایشیا کے خانہ بدوش گلہ بان اپنے ساتھ پدری حکومت،
آریائی زبانیں، ذات پات کا نظام اور ہندو مذہب کے بعض عناصر
لے کر ہندستان میں آئے۔ اس وقت سے ہندستان (اور جنوب مغربی
ایشیا) کی مادری زراعتی تہذیب میں جو ایک شہری اور جمہوری تہذیب
تھی، اور وسط ایشیا کے خانہ بدوش گلہ بانوں کی پدری تہذیب میں
کشمکش شروع ہو گئی۔ یہ کشمکش نئی نئی قوموں اور نئے نئے خیالات کے

آنے سے اور زیادہ پیچیدہ ہوتی گئی۔ حضرت عیسےٰ سے کچھ دن پہلے اور ان کے کچھ دن بعد ہُن قوم نے ہندستان پر حملہ کیا اور ہندو مذہب میں خانہ بدوش گلہ بانوں کے عنصر کو تقویت پہنچائی۔ اس کے بعد نویں دسویں صدی عیسوی سے یہی گلہ بان قومیں جو اسلام قبول کر چکی تھیں ہندستان میں آنی شروع ہوئیں۔ ان کے اصلی تہذیبی تصورات تو وہی تھے جو ان کے غیر مسلم آبا و اجداد کے لیکن وہ اپنے ساتھ اسلامی تصورات اور جنوب عرب اور ایران کے مسلمانوں کو بھی لائے جن کی وجہ سے ایک حد تک ہندستان کی قبل آریائی مادری تہذیب کے معاشرتی اور مذہبی تصورات کو مدد ملی۔ اس کا ایک عجیب نتیجہ ہوا کہ گو یہ نو وارد اپنے زعم میں ہندستان کی ہر چیز کو حقیر سمجھ کر اس کی مخالفت کرتے تھے لیکن جو خیالات اور تصورات یہ اپنے ساتھ لائے تھے اس سے ہندستان کی قدیم تہذیب کو تقویت پہنچی۔ دوسری طرف غیر اسلامی پردے کو، جسے وسط ایشیا کے نو مسلموں نے یونانی بای زن طین اور زرتشتی ایران سے لے کر اور بھی زیادہ سخت کر دیا تھا، برہمنوں اور دوسری اونچی ذات کے لوگوں نے بھی اختیار کر لیا اس لیے کہ انھیں غیر شعوری طور پر یہ احساس ہوا ہوگا کہ یہ چیز ان کے آبائی مذہب اور خانہ بدوش گلہ بانوں والے پدری نظام سے مناسبت رکھتی ہے۔ یہ ایک خاکہ ہے علم الاقوام کی اس تحقیقات کا جو بدھ مذہب کی ابتدا تک ہندستان کی صحیح تاریخ کے مرتب کرنے میں بہت کچھ مدد دے سکتی ہے۔ اس کے بعد کے تہذیبی دور علم تاریخ کے دائرے میں آجاتے ہیں اس لیے ہم نے ان سے بحث نہیں کی۔

ہمیں تو صرف ان مسائل اور مقدمات سے سروکار ہے جو بعد کے

تاریخی واقعات کی بنیاد ہیں اور جن سے ان واقعات کے سمجھنے میں بہت
کچھ مدد مل سکتی ہے۔

خود یہ "تاریخی واقعات ہمارے" موضوع بحث سے خارج ہیں۔

تتمہ
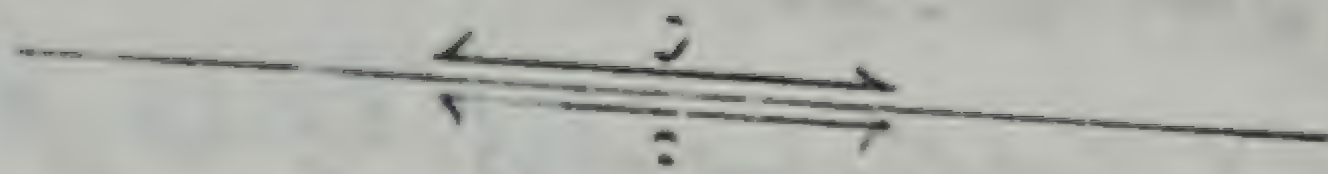
ابتدائی معاشرت کی وادیوں میں ہمارا یہ سرسری سفر ختم ہوتا ہے۔ ہم نے اس سلسلے میں اس کثرت سے پیچیدہ تہذیبیں، عقائد و اوہام اور مسائل معاشرت کو حل کرنے کی کوششیں دیکھیں کہ ان سب کی کل اہم خصوصیات کو بیان کرنا ناممکن تھا۔ بیگا لیتھی تہذیب جیسے مسائل کا محض نام لے دینے پر اکتفا کی گئی ہے۔ یہ مسائل اتنے پیچیدہ اور ان کی اصلیت اس قدر مابہ النزاع ہے کہ علم الاقوام کے اس چھوٹے رسالے میں ان سے تفصیلی بحث نہیں کی جا سکتی تھی۔

بہ خلاف اس کے کہیں کہیں ایسا بھی ہوا کہ ایک ہی بات مختلف موقعوں پر بار بار دہرائی گئی۔ ہم اس اختصار اور اس تکرار دونوں کی معافی چاہتے ہیں۔

ہمیں امید ہے کہ پڑھنے والوں کو علم الاقوام کے بعض اہم مسائل سے دلچسپی اور بطور خود ان پر غور کرنے کا شوق پیدا ہو گیا بلکہ وہ خود ادب العوام اور علم الاقوام کی تحقیقات میں حصہ لیں گے۔

ہم نے دیکھا کہ بہت سے سوالات کا ابھی تک کوئی جواب نہیں دیا گیا ہے۔ عام تاریخ تمدن اور خاص ہندستان کی تاریخ تمدن کے بہت سے عقدے ابھی حل نہیں ہوئے ہیں۔ پھر بھی ہم یہ توقع کرتے ہیں کہ علم الاقوام کے مسائل کی جو تحقیقات تاریخ تمدن کی روشنی میں کی گئی ہے اس کے بعض اہم نتائج پڑھنے والوں کے ذہن میں محفوظ رہیں گے اور اس زمانے

کی سب سے بڑی مشکل میں ان کی مدد کریں گے۔ وہ مشکل یہ ہے کہ زمانہ بہت سے نظری اور اخلاقی نظاموں کی عمارت کو مسمار کر رہا ہے اور انسان کو ملبے کے اس ڈھیر میں سے گزر کر اس مقام تک پہنچنا ہے جو کل انسانی کوششوں کی آخری منزل ہے اور جہاں وہ نورِ حقیقت سے ہم آغوش ہو کر ابدی سکون کی زندگی بسر کر سکتا ہے۔

ایک چیز ہمیں صاف نظر آگئی اور وہ نوعِ انسانی کی وحدت ہے۔ پھر ہم نے یہ دیکھا کہ مختلف تہذیبی تصورات مختلف مقامات پر اور مختلف زمانوں میں پیدا ہوئے اور ساری دنیا میں پھیل گئے۔ ابتدا میں نوعِ انسانی نسل اور تہذیب کے لحاظ سے ایک تھی لیکن جیسے جیسے نئے تصورات وجود میں آتے گئے اس وحدت میں کثرت پیدا ہوتی گئی۔ غرض ارتقا کے سلسلے میں، جسے ہم غلطی سے ترقی کہتے ہیں، کوئی ہم آہنگی نہیں تھی۔

ارتقا بے شک ایک حقیقت ہے۔ لیکن کیا واقعی ارتقا ترقی کا نام ہے؟ ہم نے دیکھا کہ کس طرح ابتدائی انسانوں نے صنعتی معلومات اور مہارات میں رفتہ رفتہ آگے قدم بڑھایا، پہلے شکار کرنے، غذا جمع کرنے اور محفوظ رکھنے میں پھر مادری تہذیب کے سائے میں کھیتی باڑی میں۔ ہم نے یہ بھی دیکھا کہ اولین تہذیب کے چھوٹے چھوٹے خاندان بڑھ کر کنبے اور قبیلے بنتے گئے یہاں تک کہ بڑی بڑی جماعتیں ایک ہی رشتے میں منظم ہو کر قومیں بن گئیں۔ انھوں نے زمین کی زرخیزی کو ترقی دی اور طرح طرح کی صنعتوں مثلاً مٹی کے برتن بنانے، مکان تعمیر کرنے، کپڑا بننے اور آخر میں دھاتوں کو گلانے اور کام میں لانے کے ذریعے سے اپنی

دولت میں اضافہ کیا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ مادّی دولت اور قوت میں ضرور ترقی ہوئی لیکن جن لوگوں نے یہ دولت اور قوت حاصل کی کیا ان کی ذہنی اور روحانی مسرت میں بھی ترقی ہوئی؟

ہم نے اس سے قطعی انکار کیا ہے۔ اولین تہذیب کے غریب حاملوں کے بلند اور سادہ مذہبی تصورات میں "اضافہ" تو بہت ہوا لیکن یہ اضافہ تنزل کا باعث تھا۔ واحد اور غیر مرئی خدا کے بلند تصور پر مادی رنگ چڑھا کر اسے مجسّم اوتاروں میں تقسیم کر دیا گیا اور اس کے بعد موروتوں تک نوبت پہنچی۔ اولین تہذیب کے معاشرتی نظام میں خاندان کے افراد برادری کے پاک رشتے میں منسلک ہوتے تھے اور کوئی کسی پر ظلم نہیں کرتا تھا۔ عورتوں اور مردوں کے حقوق برابر تھے۔ نہ کوئی غلاموں کا طبقہ تھا اور نہ امیروں کا۔ آپس میں قدرتی طور پر میل اور محبت تھی۔ لیکن جیسے جیسے علم اور صنعت میں اضافہ ہوتا گیا مختلف طبقے پیدا ہو گئے اور ایک دوسرے کو دبانے لگا۔ ان تغیرات کا کوئی عام اصول نہ تھا۔ مختلف تہذیبی دائروں کا الگ الگ نظام تھا۔ کہیں مرد غالب تھے، کہیں عورتیں، اگرچہ عورتوں کی حکومت انصاف اور رواداری کے نصب العین سے قریب تر تھی۔ اس طرح رفتہ رفتہ امیروں کا عزّت مند طبقہ اور غلاموں اور مزدوروں کا ذلت نصیب طبقہ پیدا ہو گیا۔ ذلت جو افلاس سے کہیں بدتر ہے۔ دولت اور اعلےٰ تہذیب کی پیداوار ہے۔ افلاس بجائے خود ایسی چیز نہیں کہ لازمی طور پر انسان کے لیے مصیبت ہی ہو۔ کم کھانا اور کم پہننا تو صحت کے لیے اچھا ہے۔ اصل میں افلاس کا احساس اور وہ معاشرتی

پستی جو اس سے وابستہ ہے انسان کے لیے مصیبت ہے۔ راحت و مسرت کا غیر محدود سامان، صاف ہوا، ٹھنڈا پانی، سورج کی روشنی، کھیل کود کا لطف یہ چیزیں اولین تہذیب کے سیدھے سادے اور آزاد مردوں اور عورتوں کو بھی میسر تھے۔ "غریب ابتدائی وحشی" بدی اور کج روی سے زیادہ دور اور حسن اور ہم آہنگی سے زیادہ قریب تھے بہ نسبت ان عقل کُل ابیروں کے جو اپنی صحت اور آرام کو قیمتی لباس کی جکڑ بند پر قربان کر دیتے ہیں اور اخوتِ انسانی کی سادگی اور محبت الہٰی کے معصومانہ جذبات کو چھوڑ کر طبقہ اور ذات، مذہب اور قوم کے خود غرضانہ اختلافات میں پھنس گئے ہیں۔

مادی دولت کی ترقی اور اخلاقی صفات کے انحطاط کا یہ عمل سینکڑوں ہزاروں سال سے جاری ہے۔ ارتقا کو روکنے والی قوتیں جو ہمیں "ابتدائی معاشرت" میں نظر آئی تھیں اب زور پکڑتی جاتی ہیں۔

صنعت و حرفت اور مادی تہذیب کے حیرت انگیز کارناموں کے مقابلے میں اگر ہم اس نقصان کو دیکھیں جو شخصی آزادی، راحت و مسرت اور حسن و ہم آہنگی کو پہنچ رہا ہے تو ان کارناموں پر فخر کرنے کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی۔

لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ ہم نوع انسانی کے مستقبل سے مایوس ہو کر بیٹھ جائیں۔

بے شک دولت ہم کو بگاڑ رہی ہے اور تمدنی ترقی اخلاقی انحطاط کا باعث ہو رہی ہے لیکن اسی کے ساتھ مذہب اور انسانیت کے بنیادی عقائد نئے سرے سے زندہ ہو رہے ہیں دنیا کے بڑے الہامی

مذاہب زیادہ زور اور قوت کے ساتھ ان اصولوں کی تعلیم دے رہے ہیں جن پر انسانی زندگی کی بنیاد قائم ہے۔ جہاں دولت اور قوت کے ساتھ ساتھ اخلاقی انحطاط کی لہر بڑھ رہی ہے وہاں مذہب کی اصلاح اور تجدید کا دائرہ بھی وسیع ہوتا جاتا ہے اور چاہتا ہے کہ کل نوع انسانی کا احاطہ کرلے۔ اس لیے حد سے زیادہ مایوس ہونا بھی اتنا ہی بے جا ہے جتنا ظاہری ترقی سے دھوکا کھا کر خوش ہو جانا۔

اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ صنعت و حرفت، مادی قوت دولت اور تنظیم میں ترقی ہو رہی ہے۔ پہلے کبھی یہ نہیں ہوا تھا جو آج ہوتا ہے کہ ہر قوم دنیا کی دوسری قوموں کے حالات سے باخبر رہتی ہے، جو الفاظ ایک جگہ کہے جاتے ہیں وہ دنیا بھر میں سنے جا سکتے ہیں، انسان آج دریائے سندھ کے کنارے سے ہوائی جہاز میں روانہ ہوتا ہے کل دریائے نیل کے کنارے پرسوں یونان اور اگلے دن جزائر برطانیہ پہنچ جاتا ہے۔ فنی علم اور مہارت نے اتنی ترقی کرلی ہے کہ اگر انسان اس سے حُسن و ہم آہنگی راحت و مسرت کو فروغ دینے میں کام لیتا تو افلاس کا خاتمہ ہو جاتا، بیماری قریب قریب مٹ جاتی اور جرائم بہت کم ہو جاتے۔ لیکن اس کے بجائے وہ اپنی دولت و قوت کو بُرے مقاصد کے لیے استعمال کر رہا ہے جن کی وجہ سے آج نوع انسانی کا ایک بڑا حصہ افلاس اور مصیبت میں مبتلا ہے اور اس کی حالت اولین تہذیب کے لوگوں سے کہیں بدتر ہے۔

موجودہ انحطاط کی سب سے زیادہ واضح یہ دو مثالیں ہیں:۔

(الف) حد سے زیادہ آبادی اور

(ب) ضرورت سے زیادہ کپڑے پہننا۔

(الف) حد سے زیادہ آبادی۔ حفظانِ صحت اور طریقِ علاج کی ترقی سے شرح اموات اتنی گھٹ گئی اور شرح ولادت اتنی بڑھ گئی کہ دنیا کی سب قوموں میں (بجز جنگلی قوموں اور بعض مظلوم قوموں مثلاً امریکا اور آسٹریلیا کے قدیم باشندوں کے) افراد کی تعداد پچھلے اسّی یا سَو سال میں دُگنی ہوگئی۔ آبادی میں اس روز افزوں اضافہ کا یہ نتیجہ ہوا کہ قوموں میں بےچینی پیدا ہوگئی ان میں آپس میں جنگ چھڑ گئی۔ جن ملکوں میں خاص طور پر آبادی کی کثرت تھی انھوں نے ایک مستقل جارحانہ پالیسی اختیار کرلی جس سے جان و مال کا شدید نقصان ہوا۔ بجائے اس کے کہ آبادی کے اس خطرناک اضافہ کو ضبط ولادت کے دانشمندانہ طریقوں سے روکا جاتا کہ بہت سے خستہ حال انسانوں کی جگہ تھوڑے سے خوش حال انسان دنیا میں رہیں، متعدد حکومتوں نے شرحِ آبادی میں اور بھی زیادہ اضافہ کرنے کی انتہائی کوششیں کیں۔ اس طرزِ عمل کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ قومیں فوجی تنظیم اختیار کرلیتی ہیں، جارحانہ جنگ و جدل کا دروازہ کھل جاتا ہے اور نوعِ انسانی اس ہولناک مصیبت میں مبتلا ہوجاتی ہے جو پہلے زمانے میں کبھی دیکھنے میں نہیں آئی تھی۔

(ب) ضرورت سے زیادہ کپڑے پہننا۔ کپڑے پہننے کا رواج دنیا کے سرد حصوں میں ایک تو سردی سے بچنے کے لیے دوسرے آرائش کی غرض سے شروع ہوا۔ اس میں شک نہیں کہ یہ تہذیب کی ترقی کی نشانی تھی۔ لیکن جب شمالی قوموں نے گرم ملکوں پر حملہ کرکے انھیں فتح کرلیا تو ان کے باشندوں کو اس پر مجبور کرنے لگے کہ وہ بھی خواہ مخواہ ضرورت سے زیادہ کپڑے پہنیں۔ یہ عمل حضرت مسیح سے صدیوں پہلے شروع ہوچکا تھا

یعنی اس زمانے میں جب وسط ایشیا کے خانہ بدوش گلہ بان ہجرت کرکے جنوب کے گرم ملکوں میں پہنچے۔ آج کل بدیسی نہیں بلکہ خود دیسی کپڑوں کے کارخانے اور پرانے کپڑوں کے تاجر بد قطع اور مضر صحت کپڑے بیچ کر نفع اٹھاتے ہیں اور لوگ انھیں خرید سکتے ہیں حالانکہ وہ ان کے بغیر زیادہ تندرست اور خوش رہ سکتے تھے۔ اگر گرم ملکوں میں رہنے والے یورپی اس خوشنما اور صحت بخش لباس کو جو قدیم مصری، یونانی اور ہندستان کی بدھ تہذیبوں کے بانی پہنا کرتے تھے "مہذب" سمجھتے تو وہ ان ملکوں کی گرمی کو بہت اچھی طرح برداشت کر سکتے تھے۔

لیکن غلط رسم و رواج کے دباؤ سے کروروں آدمی اربوں روپیہ صرف کرکے وہ لباس پہنتے ہیں جو نہ صرف غیر ضروری بلکہ صحت اور خوبصورتی کے لیے سخت مضر ہی۔

تہذیب کی ترقی کے ساتھ ساتھ ان خرابیوں کے علاوہ اخلاقی انحطاط بھی نظر آرہا ہی۔ جہاں حد سے زیادہ آبادی اور ضرورت سے زیادہ کپڑے پہننے کی وجہ سے "وحشیوں" کی صحت اور خوبصورتی برباد ہو رہی ہی وہاں اس پدری تہذیب کی بدولت جو آریا اور ہن فاتحوں نے ہندستان کی مادری قوموں پر مسلط کردی ہی ان غریبوں کو افلاس مصیبت اور ذلت کا سامنا کرنا پڑ رہا ہی۔

اس سے نتیجہ نکلتا ہی کہ انسان ان بچوں کی طرح ہیں جو آگ اور چاقو وغیرہ کا صحیح استعمال نہیں جانتے۔ وہ اچھی چیزوں کو اس بری طرح برتتے ہیں کہ وہ مصیبت بن جاتی ہی۔ سائنس کے جن آلات سے وہ اپنے آپ کو اور دوسروں کو تباہ کرتے ہیں اگر عقلمندوں کے ہاتھ میں

ہوتے تو روئے زمین کو امن و آشتی کا گھر بنا دیتے جس پر بہشت کا دھوکا
ہوتا۔

لیکن یہ بات محض ذہنی اور مادی ترقی سے حاصل نہیں ہو سکتی۔
صرف ذمہ داری کا احساس اور محبت کی لگن ہی ایسی چیز ہی جو انسان کو
یہ سبق دے سکتی ہے کہ اپنی قوتوں سے اس طرح کام لے کر نفرت رقابت
اور مصیبت کی جگہ ہمدردی، ہم آہنگی اور راحت و مسرت کا دور دورہ
ہو۔ جوں جوں انسان کی مادی قوت بڑھتی جاتی ہے یہ احساسِ ذمہ داری
اور ضبطِ نفس زیادہ مشکل ہو جاتا ہے۔ جب تک دنیا کی سب قوموں کے
مرد اور عورتیں ایک دوسرے کے ساتھ انصاف اور محبّت کا برتاؤ نہ
کریں، قانونِ الٰہی کے سامنے سر نہ جھکائیں اور نور ایزدی کو اپنا رہنما
نہ قرار دیں یہ مقصد حاصل نہیں ہو سکتا۔

علم الاقوام ہمیں یہ پتا تا ہے کہ کس طرح انسان مادی قوت کے بڑھنے
سے اخلاقی انحطاط میں مبتلا ہو گیا۔ لیکن اسی کے ساتھ تہذیبوں کی ترقی
اور تنزل کا مشاہدہ ہمیں یہ عقیدہ سکھاتا ہے کہ محبت ہم آہنگی اور نور کا ازلی
اور ابدی سرچشمہ انسانی زندگی کو اس کی گمراہی اور کج روی کے باوجود
سیدھے رستے پر لگا دیتا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ یہ کام پہلے سے زیادہ مشکل اور یہ بوجھ پہلے
سے زیادہ بھاری ہے لیکن علم الاقوام کے طالب علم کے دل کو تہذیب
انسانی کی تاریخ کا مطالعہ اس امید سے معمور کر دیتا ہے کہ آج بھی
ایسے لوگ موجود ہیں جو انسان کو حق کا پیام پہنچاتے ہیں۔ انھیں
مصیبت اور بدی کی تاریکی میں نیکی اور راحت کی راہ دکھاتے ہیں۔

ان روشن ستاروں کی طرح جو آسمان پر چمکتے ہیں اور بھٹکے ہوئے
مسافر کی رہنمائی کرتے ہیں۔

عام پسند سلسلہ

اُردو زبان کی ترقی و اشاعت کے لیے بہت دنوں سے یہ ضروری خیال کیا جا رہا تھا کہ سلیس عبارت میں مفید اور دل چسپ کتابیں مختصر حجم اور کم قیمت کی بڑی تعداد میں شایع کی جائیں۔ انجمن ترقیٔ اُردو (ہند) نے اسی ضرورت کے تحت عام پسند سلسلہ شروع کیا ہے اور اس سلسلے کی پہلی کتاب ہماری قومی زبان ہے، جو اُردو کے ایک بڑے محسن اور انجمن ترقی اُردو (ہند) کے صدر جناب ڈاکٹر سر تیج بہادر سپرو کی چند تقریروں اور تحریروں پر مشتمل ہے۔ امید ہے کہ یہ سلسلہ واقعی عام پسند ثابت ہوگا اور اُردو کی ایک بڑی ضرورت پوری ہو کر رہے گی۔ قیمت ۸/

ہمارا رسم الخط

از جناب عبد القدوس صاحب ہاشمی

رسم الخط پر علمی بحث کی گئی ہے اور تحقیق و دلیل کے ساتھ ثابت کیا گیا ہے کہ ہندستان کی مشترکہ تہذیب کے لیے اُردو رسم الخط مناسب ترین اور ضروری ہے۔ گیارہ پیسے کے ٹکٹ بھیج کر طلب کیجیے۔